ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

نومبر ۲۰۱۹ء

مسلسل اشاعت کا ۶۷ واں سال

سن آغاز ۱۹۵۳ء

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

نومبر ۲۰۱۹ء

ربیع الاوّل ۱۴۴۱ ہجری

شمارہ نمبر ۱۱ - جلد ۶۷

صدرِ مجلس

سعدیہ راشد

مدیر اعلا

محمد سلیم مغل

معاون مدیر

سلیم فرّخی

کمپوزنگ

محمد اکرم خان

۱۶ ویں منزل، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ،
پی ای سی ایچ ایس بلاک ۲، کراچی۔

فون: 021-38244000, 38241611 Ext. 1611

ای میل: hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ: www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ادارۂ سعید: www.hakimsaid.info

فیس بک پیج: /hamdardfoundationpakistan

پبلشر سعدیہ راشد نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد، ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیرِ اہتمام شائع کیا گیا۔

بہ یاد

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید
بانی سرپرست

مسعود احمد برکاتی مرحوم
مدیرِ اوّل

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی صفحات کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔

قیمت خاص نمبر ۸۰ رُپے
قیمت عام شمارہ ۵۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۸۰۰ رُپے
سالانہ (عام ڈاک سے) ۶۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۵۰۰ رُپے
سالانہ (غیر ممالک سے) ۴۰ امریکی ڈالر

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی۔ VPP بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

اس شمارے میں

کیا اور کہاں؟

نومبر ۲۰۱۹ء

۵ مسکرادینا (نظم) — انور شعور
۶ جاگو جگاؤ — شہید حکیم محمد سعید
۷ پہلی بات (اداریہ) — سلیم مغل
۸ عظیم قائد — خواجہ اشرف احمد
۹ انتخاب اقبال
۱۰ روشن خیالات — ننھے گل چیں
۱۳ باکمال لوگ — سلیم مغل
۱۶ محمدؐ ہمارے - بڑی شان والے — سید نظر زیدی
۲۱ زخمی دشمن — ضرغام راجا
۲۷ مرے اقبال کی نظمیں (نظم) — ارسلان اللہ خاں
۲۸ پاکستانی کرنسی کا سفر — رانا محمد شاہد
۳۲ ہوا سے باتیں (نظم) — قدسیہ جبیں
۳۳ شین شرارت — ننھے مزاح نگار
۴۲ نونہال مصوّر — ننھے فن کار
۴۵ لو پھر سے ہوا سویرا (نظم) — تنویر انجم

محمدؐ ہمارے - بڑی شان والے 16

زخمی دشمن 21

پاکستانی کرنسی کا سفر 48

۴۷	ایک لڑکا سامیں نکل آیا- سفر نامہ امریکا	سلیم مغل
۵۳	انسان اور مشین	فوزیہ خلیل
۵۹	سپر گپی	شیخ عبدالحمید عابد
۶۳	عظیم معلّم	تفسیر حیدر تفسیر
۶۵	تربیت	خولہ بنت سلیمان
۶۹	صحرائے تھر	محمد فرحان اشرف
۷۳	جنگل والا جن	عائشہ مجیب
۷۸	نونہال مشاعرہ	خوش ذوق نونہال
۷۹	نام بوجھیے	س-ف
۸۵	بلاعنوان انعامی کہانی	ثمینہ پروین
۹۳	علم دریچے	نکتہ داں نونہال
۹۷	نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے
۱۰۸	معلومات افزا ۲۸۷	س-ف
۱۱۱	آدھی ملاقات	نونہال پڑھنے والے
۱۱۴	نونہال خبرنامہ	سلیم فرخی
۱۱۶	جوابات معلومات افزا ۲۸۵	ادارہ
۱۱۸	انعامات بلاعنوان کہانی	ادارہ
۱۲۰	نونہال لغت	ادارہ

انسان اور مشین 53

سپر گپی 59

تربیت 65

صحرائے تھر 69

مسکرا دینا

کسی کو خوش دلی سے دیکھ لینا ، مسکرا دینا
کسی بھٹکے ہوئے رہ گیر کو رستہ بتا دینا
کسی محروم بچے کو الف بے تے پڑھا دینا
کسی بیمار کو پُرسش کی شیرینی چکھا دینا
کسی کی بدسلوکی سیر چشمی سے بھلا دینا
کسی بے آسرا کو حسبِ مقدور آسرا دینا
یہ چھوٹی چھوٹی باتیں، زینۂ معراج وعظمت ہیں
یہ وہ قربانیاں ہیں جن سے دین ایمان بنتا ہے
انھیں معلوم ہے جو اہلِ درد ، اہلِ محبت ہیں
بشر قربانی و ایثار سے انسان بنتا ہے

انور شعورؔ

جاگو جگاؤ

نونہال دوست، شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھی جانے والی باتیں

اپنے متعلق سب ہی اچھا خیال رکھتے ہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو بُرا نہیں سمجھتا۔ اپنے بعد اپنے گھر والوں کو، اپنے شہر والوں، اپنے علاقے والوں کو اور پھر اپنے ملک والوں کو اچھا سمجھنا عام بات ہے۔ اس میں کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ دوسروں کو بُرا نہ سمجھیں۔ اپنے کو اچھا سمجھنے کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ دوسروں کے متعلق خیالات خراب ہو جائیں۔ اچھائی کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اچھا سمجھیں اور کہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اچھائی اور خوبی صرف اسی کے یا اس کے علاقے کے لوگوں میں ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ایسے خیالات رکھنے والے کی خود اپنی اچھائی میں شبہ ہے۔ اچھے بُرے لوگ ہر جگہ اور ہر علاقے میں ہیں اور ہر زبان بولنے والوں میں ہیں، اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ اچھا انسان جہاں کا بھی ہو اس کی تعریف کی جائے، اس کی قدر کی جائے، اس کی عزت کی جائے، ضرورت ہو تو اس کی مدد بھی کی جائے۔

کسی آدمی کو صرف اس وجہ سے بُرا سمجھنا کہ وہ تمھاری برداری کا نہیں ہے، تمھاری زبان نہیں بولتا، تمھارے شہر کا رہنے والا نہیں ہے، بڑی ناانصافی ہے۔ ناانصافی بہت بڑی بداخلاقی ہے۔

کسی کو اس کے جائز حق سے محروم کرنا ظلم ہے۔ یہ ظلم کرنے والا اچھا آدمی نہیں ہوتا۔

ہر انسان عزت کے قابل ہے۔ ہر مسلمان محبت کے قابل ہے۔ اچھے انسان سب سے محبت کرتے ہیں۔ سب کو دوست سمجھتے ہیں۔

(ہمدرد نونہال جون ۱۹۸۷ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم مغل

نیپا کراچی میں منعقد ہونے والے ''ٹی وی پروڈکشن اور ڈائرکشن'' کے تربیتی پروگرام میں جب چند ہفتے گزر گئے تو میں نے اسے بلایا اور کہا کہ'' تم اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر ترس کیوں نہیں کھاتے!! اتنی بھاری فیس ادا کرتے ہو، اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہو اور اپنے ماں باپ کا پیسہ بھی، تم کچھ نہیں سیکھ سکتے۔ تمھارے اندر یہ صلاحیت سرے سے ہے ہی نہیں کہ تم ڈائریکٹر بن سکو۔ تمھارے لیے بہتر ہوگا کہ تم اپنی فیس واپس لو اور گھر لوٹ جاؤ۔ اُس نے سُنی، اَن سنی کر دی اور تواتر سے کلاس میں آتا رہا... سرٹیفکٹ لینے کے بعد بھی وہ کچھ نہ کچھ کرتا رہا.. چھوٹی چھوٹی فلمیں، خاکے، نغمے.. دن گزرتے رہے۔ پھر ایک روز میں نے اس کا بنایا ہوا ایک ٹی وی پروگرام دیکھا، مجھے یقین نہ آیا.. پھر دوسرا، پھر تیسرا اور پھر مسلسل کئی پروگرام دیکھے۔ کارپوریٹ سیکٹر کے لیے اس کی بنائی ہوئی دستاویزی فلم دیکھی تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیجیے کہ میں تو ایسی معیاری فلم آج بھی نہیں بنا سکتا۔ اس نے مجھے واقعی شرمندہ کر دیا تھا۔ آج وہ کراچی کے چند معروف ڈائریکٹرز میں سے ایک ہے۔ اس کے پاس فرصت نہیں کہ وہ ہر کسی سے مل سکے۔ بڑے قومی اور عالمی اداروں کے اسائنمنٹ اسے بے حد مصروف رکھتے ہیں۔ اس کے کام میں پیشہ ورانہ رنگ اور تخلیقی عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ وہ آج بھی جب مجھ سے ملتا ہے تو بہت عقیدت سے ملتا ہے، مگر جب وہ میری طرف دیکھتا ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے کہہ رہا ہو'' سر آپ کیسے استاد ہیں! اتنے اچھے طالب علم کو گھر لوٹنے کا مشورہ دے رہے تھے۔'' میں اس کے ساتھ زیادہ دیر بیٹھ جاؤں تو پہلو بدلنے لگتا ہوں اور میرا جی چاہتا ہے کہ وہ چلا جائے تاکہ میں اپنے آپ سے مزید نادم نہ ہوں۔

وہ سارے نوخیز قلم کار جو بہت اچھا نہیں لکھتے، اب مجھے ان سب میں اچھے قلم کار کی تلاش رہتی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان سے کہوں'' لکھتے رہو، لکھتے رہو... یہاں تک کہ ایک دن تمھاری تحریر دیکھ کر میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں کہ'' ایسا تو میں بھی نہیں لکھ سکتا۔''

ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ'' ناقابل اشاعت تحریروں کا صفحہ شاملِ اشاعت نہ کیا کریں۔ اس صفحہ پر شائع ہونے والوں میں جانے کتنے ہوں گے جو کل ہمیں شرمندہ کر رہے ہوں گے۔'' اس لیے، آپ لکھتے رہیں... لکھتے رہیں اور پڑھتے رہیں۔ یہاں تک کہ الفاظ ہاتھ باندھ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور خیالات برسات کی تیز بوندوں کی طرح آپ پر اترنے لگیں۔

محنت، مسلسل محنت، صبر اور ریاضت کے مشکل مرحلوں سے گزریں، مگر لکھنا ترک نہ کریں۔

یاد رکھیں کہ ... ''استقامت ہی تو کرامت ہے۔''

عظیم قائد

خواجہ اشرف احمد

آل انڈیا مسلم فیڈریشن کے ایک عہدے دار جناب خواجہ اشرف احمد کا کہنا ہے کہ قائد کو ریلوے اسٹیشن کے سامنے ''آسٹریلیا مسجد'' میں نمازِ عصر ادا کرنی تھی۔ جب وہ تشریف لائے تو مرزا عبدالحمید تقریر کر رہے تھے۔ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ قائد موٹر کار سے اُترے تو انھوں نے اچکن، چوڑی دار پاجامہ اور بٹلر شوز پہن رکھے تھے۔ اُن کی آمد پر لوگوں میں ہلچل پیدا ہوئی، لیکن وہ فوراً سنبھل گئے کہ قائداعظم نظم و ضبط کے پابند تھے۔ وہ مسجد کے بغلی دروازے میں سے داخل ہوئے۔ اگلی صف تک راستہ بن گیا۔ قائد نے یہ کہتے ہوئے اگلی صف میں جانے سے انکار کر دیا: ''میں آخر میں آیا ہوں، اس لیے یہیں بیٹھوں گا۔''

سیاست میں آگے جانے والا خانہ خدا میں سب سے پیچھے بیٹھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد قائد نے جو کام فوراً کیا وہ یہ کہ اپنے جوتے اُٹھا لیے۔ ہر کسی کی خواہش تھی کہ وہ قائداعظم کے جوتے اُٹھانے کی سعادت حاصل کرے، لیکن ہر کسی کو حسرت ہی رہی۔ لوگ بعد میں اُن کے ہاتھ سے جوتا چھیننے کی کوشش ہی کرتے رہے، لیکن قائد کی گرفت آہنی تھی۔ وہ ہجوم میں اپنی ریشمی جرابوں سمیت کوئی تیس قدم تک بغیر جوتوں کے چلے۔ اصرار اور کوشش کے باوجود کسی شخص کو اپنا جوتا نہیں پکڑایا۔

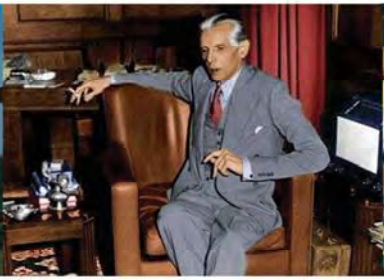
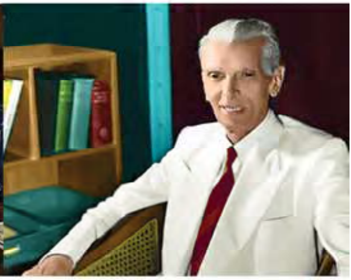

علامہ محمد اقبال

تاریخ پیدائش: ۹ نومبر ۱۸۷۷ سیالکوٹ

اگر جواں ہوں میری قوم کے غیور و جسور
قلندری میری کچھ کم سکندری سے نہیں

روشن خیال

تجربے اور دانائی کا حاصل، علم و حکمت کی باتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دوسروں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا بھی عبادت ہے۔

نازش اشعر، کراچی

حکیم لقمان

علم دل کو اس طرح تروتازہ رکھتا ہے، جیسے بارش زمین کو۔

سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

حضرت ابوذر غفاریؓ

مظلوموں اور مجبوروں کی مدد کرنا بھی عبادت ہے۔

حسام ابراہیم، فیصل آباد

حضرت سری سقطیؒ

جس نعمت کی قدر نہ کی جائے، وہ ختم ہو جاتی ہے۔

مہک اکرم، لیاقت آباد

شیخ سعدیؒ

آہستہ آہستہ چل کر منزل تک پہنچ جانا، دوڑ کر راستے میں ہی گر جانے سے بہتر ہے۔

امبر شبیر، صادق آباد

علامہ اقبال

قومیں فکر سے محروم ہو کر تباہ ہو جاتی ہیں۔

سمیعہ توقیر، ملیر

سقراط

وہ گھر جس میں کتابیں نہیں، اس جسم کی مانند ہے، جس میں روح نہ ہو۔

محمد اسلم، لاہور

شیکسپیئر

جو شخص عمل کی جرات نہیں کر سکتا، اسے اچھے نتیجے کی اُمید بھی نہیں رکھنی چاہیے۔

کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

ٹالسٹائی

بعض لوگ اچھا بننے کے لیے اتنی کوشش نہیں کرتے جتنا اچھا نظر آنے کے لیے کرتے ہیں۔

نیلوفر، کوئٹہ

بنجمن فریکلن

تجربہ ایک اچھا استاد ہے، لیکن اس کی فیس بہت زیادہ ہے، لہٰذا دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھاؤ۔

خرم خان، شمالی کراچی

The best
revenge
is to improve
yourself.

Press ad

باکمال لوگ

بے مثال کردار

Editor's Facebook Page

فاطمہ فرانس گئی تو پہلے ہی دن اس کے بیگ سے پاسپورٹ غائب ہوگیا۔ پھر پیرس میں لڑکوں کا ایک گروہ اس کا پرس (بٹوا) لے بھاگا۔ فاطمہ نے ان کا تعاقب کیا اور بالآخر لوگوں کی مدد سے انھیں پکڑنے میں کام یاب ہوگئی۔ پرس واپس مل گیا، پاسپورٹ نہ مل سکا۔ کچھ پریشانی تو ہوئی، مگر بالآخر سفارت خانے کی مدد سے واپسی کی دستاویزات بن گئیں اور فاطمہ خیر سے جاپان واپس آ گئی۔

فاطمہ جاپانی شہری ہے، مگر اسے پاکستان سے بھی ایک نسبت ہے۔ وہ پاکستان آئی تو میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ دورانِ سفر اس قدر لاپروا تو نہیں ہونا چاہیے!! اپنی قیمتی چیزوں اور دستاویزات کی حفاظت کرنی چاہیے۔ جواباً فاطمہ نے کہا: ”میں کیا کروں، مجھے تو جاپان کی عادت ہے ناں!! میں تو اپنا بیگ کچرا کنڈی میں بھی پھینک آؤں اور اگر اس میں کوئی قیمتی چیز اور میرا

یہ رہا آپ کا پرس

شکریہ بیٹا - زینم

ایڈریس موجود ہوتو میرا بیگ دوسرے ہی دن میرے گھر پہنچ جائے گا۔''
فاطمہ کا جواب میرے لیے حیران کن تھا، مگر پھر جب جاپان اور وہاں کے شہریوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھنے اور دیکھنے کے مواقع ملے تو فاطمہ کی کہی ہوئی بات سمجھ میں آنے لگی۔
جاپان کے ایک یوٹیوب چینل Monkey Python نے ایک دل چسپ سماجی تجربہ کیا۔ محض یہ جاننے کے لیے کہ جاپانی واقعی دنیا کے ایمان دارترین لوگ ہیں یا پھر یہ محض کہانیاں ہیں۔ زینم نامی نوجوان نے ''ہاراجوکا'' سے گزرتے ہوئے اپنا پرس گرادیا۔قریب سے گزرتی ہوئی ایک خاتون نے دیکھا تو فوراً ہی پرس اُٹھایا اور زینم کی طرف لپکی۔زینم نے شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گیا، ایک کیمرہ مسلسل اس منظر کو ریکارڈ کررہا تھا۔ پھر زینم نے دوبارہ یہی حرکت کی اور نوجوانوں سے بھرے ہوئے ٹوکیو کے اس پُرہجوم علاقے میں ایک اور جوڑے نے پرس اُٹھایا اور زینم کو دے دیا...... پھر ایک خاتون نے جب دیکھا کہ نوجوان کا پرس گر گیا ہے تو اس نے بھی اسے آواز دی اور اس کی توجہ اس کے گرے ہوئے پرس کی جانب مبذول کروائی۔
زینم نے اس عمل کی جاری رکھا......اورلوگ اس کا پرس اُٹھا اُٹھا کر اسے واپس کرتے رہے۔ایک بار تو یہ بھی ہوا کہ ایک کتے نے پرس گرنے کا نوٹس لیا اور اپنے مالک کی توجہ اس جانب مبذول کروائی۔ پندرہ سے زیادہ بار پرس گرایا گیا اور ہر بار یہی ہوا......زینم کتنا خوش ہوا ہوگا اور کتنا فخر کیا ہوگا، اپنے لوگوں پر، اپنی قدروں پر اور اپنے ملک پر۔جانے کس مٹی کے بنے ہوئے لوگ ہیں یہ۔ بدعنوانی، بے ایمانی ان کے قریب سے بھی نہیں گزرتی۔گزشتہ سال جاپانیوں کی دیانت داری کے باعث انھیں دنیا کی ایمان دارترین قوم قرار دیا گیا۔ایسے بہت سے تجربات ریڈرز ڈائجسٹ، سی این این اور دیگر ادارے بھی کر چکے ہیں۔ ہر تجربہ جاپانیوں کی ایمان داری پر مہر تصدیق ثبت کرتا رہا ہے۔
ہیں نا باکمال لوگ؟؟ لوگ تو لوگ، یہاں کے کتے بھی ایمان دار ہیں!
ویڈیو دیکھنے کے لیے Japaninfo.com پہ جا کے drop vallet لکھیے۔لوگوں کے تاثرات پڑھیے اور پھر سوچیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ اور کب تک کھڑے رہیں گے؟

خوش خبری

حکیم محمد سعید میموریل اسکالرشپ بیچ نمبر 18(20-2019)

اہلیت: طلبا و طالبات جنھوں نے گزشتہ سال پاکستان کے کسی بھی سرکاری تعلیمی بورڈ سے میٹرک اور انٹر امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہو اور کالجز کے سال اول اور یونی ورسٹیز میں زیرِ تعلیم ہوں۔

مارکس : میٹرک (2019) 85 فی صد سے زائد - انٹر 80 فی صد سے زائد نمبرز

طریقہ کار :

☆ اسکالرشپ فارم کے حصول کے لیے سادے کاغذ پر درجِ ذیل کوائف کے ساتھ اپنی درخواست بھجوائیں۔

☆ 2019 میں میٹرک یا انٹر میں حاصل کردہ نمبر (مارکس شیٹ)

☆ ڈاک کا پتا، رابطے کا فون نمبر۔

☆ ہمدرد نونہال میں شائع ہونے والا اسکالرشپ کوپن۔

☆ درخواست بھجوانے کی آخری تاریخ

30 نومبر 2019ء تک کردی گئی ہے۔

دفتر: ڈائریکٹر ایچ آر اینڈ ایڈمن، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، 16 فلور، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ، کراچی۔ فون نمبر 021-38244000

کوپن برائے حکیم محمد سعید میموریل اسکالرشپ

نام : ....

پتا : ....

حاصل کردہ مارکس اور پرسنٹیج : ☐ میٹرک .... ☐ انٹر ....

بورڈ کا نام : ....

کالج / یونی ورسٹی : .... کلاس : ....

☆ کوپن سادہ کاغذ کے درمیان میں چپکائیں۔ ☆ ایک کوپن ایک طالب علم کے لیے ہے۔

☆ مقررہ تاریخ کے بعد کوپن قابلِ قبول نہ ہوگا۔

محمدؐ ہمارے بڑی شان والے

سید نظر زیدی

اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں، جن سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ ان مقدس آیتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اِس دنیا اور اُس دنیا کے علاوہ اگر اور دنیائیں بھی ہیں تو ان سب میں بسنے والی مخلوق میں اللہ کے بعد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔

عام انسانوں کے علاوہ آپؐ تمام نبیوں کے سردار ہیں۔اللہ پاک نے اپنی ساری مخلوق میں انسان کو سب کا سردار بنایا ہے اور انسانوں میں سب کے سردار اور سب کے رہنما آپؐ ہیں۔آپ پر نبوتؐ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔اب قیامت تک وہ تمام انسان آپؐ ہی کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلیں گے جو نیکی اور شرافت کے ساتھ زندگی گزارنے کی تمنا کرتے ہوں گے۔

انسانی زندگی میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں، جس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے زیادہ اچھے اور سب سے زیادہ بڑے نہ ہوں۔آپؐ سب سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔سب سے زیادہ شریف اور نیک تھے۔سب سے زیادہ سخی،سب سے زیادہ بہادر،سب سے زیادہ طاقتور،سب سے زیادہ دوسروں کا بھلا چاہنے والے،سب سے زیادہ رحم دل اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔سب اچھائیاں اور بزرگیاں آپؐ پر ختم تھیں۔

حضور پُرنُور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے چند واقعات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

اللہ پاک کی عبادت

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی بیان کرتے ہیں۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپؐ کے پیروں پر ورم آ گیا تھا۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔اللہ پاک نے تو آپؐ کے پہلے اور پچھلے سب گناہ بخش دیے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔جب نماز کا وقت آتا تو آپؐ کا یہ حال ہو جاتا کہ جیسے کسی کو جانتے ہی نہیں۔آپؐ اس وقت تک اللہ پاک کے سوا سب کو بھول جاتے تھے۔

روزہ بھی فرض عبادت ہے۔رمضان کے روزے سب ہی مسلمان رکھتے ہیں،لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مہینے کے ان روزوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کبھی کبھی اس طرح متواتر (ناغہ کے بغیر) روزے رکھتے تھے کہ ہمارا خیال ہوتا اس ماہ افطار ہی نہ فرمائیں گے اور کبھی مسلسل افطار فرماتے کہ ہمارا خیال ہوتا اس ماہ روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کئی اور صحابیوں نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آپ ؐ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔

نماز اور روزے کی طرح جہاد، یعنی کافروں سے جنگ کرنا بھی فرض عبادت ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روایت کے مطابق ۲۵ اور دوسری روایت کے مطابق ۲۷ جنگوں میں حصہ لیا۔ آپ ؐ نے جن لڑائیوں میں خود حصہ لیا انھیں غزوات کہتے ہیں۔

بہادری

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بہت سے واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ بہت بہادر اور شجاع تھے۔ سنہ ۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ایک قبیلے کا سردار وعشور بن الحارث محاربی مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ساڑھے چار سو آدمی ہیں۔ یہ خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدوں کا لشکر لے کر اس کا حملہ روکنے کے لیے روانہ ہوئے، لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ وعشور نے آپ ؐ کے آنے کی خبر سنی تو بھاگ گیا۔

واپسی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ایک درخت کے سائے میں لیٹ گئے اور اپنی تلوار اور درخت کی شاخ سے لٹکا دی۔ وعشور قریب ہی چھپا ہوا تھا۔ اس نے جو آپ ؐ کو درخت کے سائے میں تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو چپکے چپکے آ کر آپ ؐ کی تلوار اتار لی اور کہنے لگا۔ ''اے محمد ؐ! بتاؤ اب تمھیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟''

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ دشمن ننگی تلوار ہاتھ میں لیے سر پر کھڑا تھا، لیکن آپ ؐ ذرا نہ گھبرائے، آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے اطمینان بھری آواز میں فرمایا۔ ''میرا اللہ مجھے بچائے گا۔''

بیان کیا جاتا ہے یہ جواب سن کر وعشور ایسا گھبرایا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپؐ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا۔ ''بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔؟''

وعشور کیا جواب دیتا، کہنے لگا۔ ''مجھے تو آپ ہی بچا سکتے ہیں۔'' حضورؐ کو اس کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ فرمایا کہ جا، تو آزاد ہے۔'' اور آپؐ کی اس رحم دلی کا وعشور پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

غصے پر قابو پانا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں مدینہ کے ان یہودیوں میں سے تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اچھی باتیں سن کر یہ خیال کرنے لگے تھے کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں، لیکن مسلمان ہونے سے پہلے پوری طرح اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ میرا اندازہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔

ایک بار ایسا ہوا کہ مسلمان ہو جانے والے ایک غریب بدو کی مدد کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے قرض لیا اور فرمایا۔ فلاں وقت تک کھجوروں کی شکل میں یہ رقم لوٹا دی جائے گی۔ جو وقت آپؐ نے مقرر کا تھا، میں اس سے کچھ پہلے ہی آپؐ کے پاس گیا اور قرض ادا کرنے کا تقاضا کیا۔ غصہ دلانے کے لیے آپؐ کی چادر کا کونہ پکڑ کر زور سے گھسیٹا اور کہا: ''تم میرا قرض کیوں ادا نہیں کرتے۔ خدا گواہ ہے عبدالمطلب کی اولاد بڑی ہی نادہندہ ہے۔''

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی آپؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ میری یہ بات سنی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بے قابو ہو کر میری طرف بڑھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں روک دیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا! ''عمرؓ تمھیں چاہیے تھا کہ مجھے قرض ادا کرنے کے لیے کہتے اور زید کو نرمی سے تقاضا کرنے کی تاکید کرتے۔ خیر اب جاؤ ان کا قرض ادا کر دو۔ انھیں بیس صاع کھجوریں زیادہ دینا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

خوف کی تصویر

محمد اکرم وارثی

جان جانے کے خوف نے گلہری کی قسم کے ایک جانور ''مارموت'' کو نہ صرف ایک پاؤں پر کھڑا کر دیا، بلکہ اسے وہیں منجمد بھی کر دیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب ایک لومڑی مارموت کو اپنا شکار بنانے کے لیے اس کی جانب بڑھنے لگی۔

چینی فوٹو گرافر ''ینگ کنگ باؤ'' (yongqing Bao) نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس سنسنی خیز منظر کو اپنے کیمرے میں قید کر لیا اور اسی منظر نے اس چینی فوٹو گرافر کو ''وائلڈ لائف فوٹو گرافر آف دی ایئر'' کے ایوارڈ کا حق دار بھی قرار دلوا دیا۔

یہ تصویر موسمِ بہار کے آغاز میں چینی پہاڑ ''Qilian'' کی ڈھلوان پر کھینچی گئی تھی، جہاں کئی مقامات پر برف موجود تھی۔ یہ فوٹو گرافر صاحب گزشتہ کچھ عرصے سے مختلف جنگلی مخلوقات کے درمیان رابطے اور باہمی تعلق کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ جلد ہی انھیں یہ حیرت انگیز منظر مل گیا، جسے انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے کیمرے میں قید کر لیا۔ اس کے بعد موقع پاتے ہی لومڑی نے اس مارموت کو اپنی خوراک بنا لیا۔ یہاں تک کہ مارموت کی ماں بھی اپنے بچے کو لومڑی سے نہیں بچا پائی۔

زخمی دشمن

ضرغام راجا

رات کی سیاہی پھیلتی جا رہی تھی۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے سات بج رہے تھے۔ چوں کہ گرمیوں کے دن تھے، اس لیے ابھی اتنا اُجالا تھا کہ ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے گاڑی سڑک کے کنارے روکی۔ میں تقریباً تین گھنٹے سے مسلسل گاڑی چلا رہا تھا اور ابھی نو گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ میں نے انجن بند کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا، مگر

آسمان ابھی تک سرخ تھا۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف لگے ہوئے گھنے درخت تیز ہوا سے جھوم رہے تھے۔ میں نے سڑک پر نگاہ دوڑائی۔ دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے گاڑی میں سے پانی کی بوتل نکالی اور منھ سے لگالی۔ پانی پی کر میں دوبارہ گاڑی میں بیٹھا۔ ابھی میں گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی گھمانے ہی والا تھا کہ میری نظر سامنے سڑک پر پڑی۔ میری گاڑی سے کوئی تیس بتیس گز کے فاصلے پر ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ میں سانپ کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ چتر ہاری سانپ تھا۔ اس کی کھال ڈھلتی روشنی میں چمک رہی تھی اور سنہری جلد پر پڑے سیاہ دھبے اسے خوف ناک بنا رہے تھے۔

چتر ہاری سندھ کا بہت خطرناک سانپ تھا۔ اب اس کی نسل تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ چتر ہاری سانپ کے ساتھ ہی مجھے رضا کا خیال آیا۔ رضا میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ کراچی میں ایک سرکاری لیبارٹری میں کام کرتا تھا اور سانپوں کے زہر پر تحقیق بھی کرتا تھا۔ بے اختیار میرا دل چاہا کہ اس چتر ہاری سانپ کو پکڑ لوں۔ یقیناً یہ تحفہ رضا کے لیے بہترین ہوگا۔ میں نے کار کے ڈیش بورڈ سے بتیس بور کا ریوالور نکالا اور آہستہ سے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

چتر ہاری سانپ اسی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ وہ شاید شکار پر حملہ کرنے والا تھا۔ میں نے اس کی نظروں کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا، سامنے دو موٹے تازہ چوہے تھے، سانپ انھیں شکار کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنا ریوالور سیدھا کیا اور سانپ کے سر کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ اسی وقت سانپ نے چوہوں پر چھلانگ لگا دی، مگر ریوالور سے نکلی ہوئی گولی کی رفتار سانپ کی رفتار سے بہت تیز تھی۔ سانپ فوراً ہی زمین پر گر پڑا اور بے سدھ ہو گیا۔

میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچا۔ گولی کی آواز کی وجہ سے سڑک کے ساتھ جنگل میں شور سا مچ گیا۔ جانوروں میں ایک ہلچل شروع ہو گئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں گولی کی آواز سن کر کوئی پولیس کی

گاڑی اِدھر نہ آجائے، کیوں کہ چتر ہاری سانپ کا شکار قانوناً منع تھا۔ لہٰذا میں نے ایک لکڑی سے سانپ کو اُٹھا کر اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور کار اسٹارٹ کر کے روانہ ہو گیا۔

رات کی سیاہی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے کار کے اندر کی لائٹ جلا دی۔ مدھم روشنی میں چتر ہاری سانپ کا جسم بہت خطرناک دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے گنگنانا شروع کر دیا۔ اسی وقت میری گاڑی کو ایک جھٹکا لگا۔ نہ جانے کیسے وہ سانپ اُچھل کر مجھ پر آن پڑا تھا اور میری گردن سے لپٹ گیا تھا۔ میرے منھ سے ایک چیخ نکل گئی اور میں نے جھٹکے سے اپنی گردن سے سانپ کو علاحدہ کر کے پھینک دیا۔ سانپ پچھلی سیٹ پر گرا۔ میں نے گاڑی روک کر اسے دیکھا۔ وہ مرا ہوا تھا شاید گاڑی کو جھٹکا لگنے کی وجہ سے وہ اُچھل کر میرے اوپر آ گرا تھا۔

میں نے چند لمحے سانس درست کی اور پھر گاڑی آگے بڑھا دی، مگر اب میرے اندر اس اعتماد کا کہیں پتا نہ تھا جو سفر شروع کرتے وقت تھا۔ گاڑی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ میں نے ایک پیٹرول پمپ پر رک کر پیٹرول بھروایا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ میں گنگناتے ہوئے اپنا باقی سفر طے کر رہا تھا۔ سانپ کا خوف اب میرے ذہن سے تقریباً نکل چکا تھا۔ میں تصور میں رضا کو دیکھ رہا تھا جو چتر ہاری سانپ پا کر بے خوش تھا۔

اسی وقت میری نظر اپنے سامنے لگے آئینے پر پڑی۔ آئینے میں منظر مجھے نظر آیا وہ مجھے دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے جسم سے جان نکال دی ہو۔ آئینے میں منظر ہی ایسا خوف ناک تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ میں نے گاڑی کی رفتار کم کی اور آہستہ آہستہ گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سانپ پچھلی سیٹ پر اپنی گردن اُٹھائے بیٹھا تھا۔ اس کی دو شاخہ زبان بار بار باہر آ رہی تھی۔ اس کا منھ اپنے ہی خون میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے بجلیاں سے نکل رہی تھیں۔ میں نے گاڑی روکنی چاہی، مگر اس وقت سانپ نے

تیزی سے اپنی جگہ تبدیل کی اور میرے سامنے اسٹیرنگ سے ذرا اوپر آ کر بیٹھ گیا گویا حکم دے رہا ہو کہ گاڑی چلاتے رہو۔خوف سے میرا بُرا حال تھا۔ مجھے اپنی زندگی کا خاتمہ نظر آ رہا تھا۔ چتر ہاری سانپ کا کاٹا تو پانی تک نہیں مانگتا۔

میں نے دل ہی دل میں اس وقت کو کوسا جب میں نے سانپ کو شکار کرنے کا سوچا تھا۔ میں تیزی سے اپنی بچاؤ کی تدبیر سوچ رہا تھا،مگر مجھے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔اس وقت گاڑی کسی اُبھری ہوئی جگہ سے گزری اور ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ جھٹکا سانپ کو سخت ناگوار گزرا۔اس نے انتہائی غصے سے میری طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا کہ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔اس کے ساتھ ہی میرا ہاتھ آہستہ آہستہ ڈیش بورڈ کی طرف بڑھنے لگا، جہاں میرا ریوالور رکھا تھا،مگر شاید سانپ نے میرے ارادے کو بھانپ لیا تھا۔اس نے اپنا رُخ تبدیل کیا اور ڈیش بورڈ کی طرف جا کر بیٹھ گیا۔

میرے منھ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی اور میں نے سارا دھیان گاڑی چلانے میں لگا دیا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اب تک سانپ نے مجھے ڈسا کیوں نہیں جب کہ چتر ہاری سانپ کی فطرت ہے کہ وہ کسی انسان کو زیادہ مہلت نہیں دیتا۔

میری کار آہستہ آہستہ حیدرآباد شہر میں داخل ہو رہی تھی۔ حیدرآباد کے لوگ اپنے گھروں میں سکون کی نیند سو رہے تھے،مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔سانپ میری برابر والی سیٹ پر آ چکا تھا اور مجھے گھور رہا تھا۔اس کی زبان بار بار باہر نکلتی تھی۔شاید وہ مجھے خوف زدہ کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔اسی وقت میری گاڑی کے قریب سے ایک ٹرک گزرا جس نے تیز ہارن بجایا۔ ہارن کی آواز سن کر سانپ کے جسم میں لرزہ سا پیدا ہوا اور اس کے غصے میں اضافہ ہو گیا۔وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا گویا یہ قصور بھی میں نے کیا ہو۔ پھر وہ برابر سیٹ پر کھڑا ہو گیا۔اس کا منھ

میرے چہرے کے برابر آ گیا۔ مجھے اپنا آخری وقت قریب محسوس ہوا۔ بچاؤ کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ آج کی رات میری زندگی کی آخری رات تھی، مگر نہ جانے سانپ کے دل میں کیا آئی کہ وہ اپنی پرانی جگہ دوبارہ چلا گیا اور وہیں بیٹھ کر مجھے دوبارہ گھورنے لگا۔

حیدر آباد دور رہ گیا تھا، کراچی قریب آ گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ مجھے معلوم تھا کہ رضا صبح جلدی اُٹھنے کا عادی ہے۔ لہٰذا کراچی میں داخل ہوتے ہی میں نے گاڑی کا رُخ ناظم آباد کی طرف کر دیا، جہاں رضا کا گھر تھا۔ سانپ میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھا مسلسل مجھے گھور رہا تھا۔ ناظم آباد میں رضا کے بنگلے کے سامنے میں نے گاڑی روکی اور دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ آہستہ آہستہ اسٹیرنگ سے ہٹا کر ہارن پر لایا اور ہارن بجا دیا۔

ہارن کی تیز آواز گونج اُٹھی سانپ نے نہایت ناگواری سے میری طرف دیکھا، مگر میں نے پروا نہ کی اور دوسری بار بھی ہارن بجا دیا۔ تھوڑی دیر میں رضا آنکھیں ملتا ہوا بالکونی میں آیا۔ میری کار دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے چیخ کر کچھ کہا جو میں نہ سن سکا۔ تھوڑی دیر بعد رضا بنگلے سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ وہ گاڑی کے پاس آتے ہوئے بولا: ''کیا پیروں میں مہندی لگی ہوئی ہے جو کار سے نہیں اُتر رہے؟'' جملہ مکمل کرتے ہی رضا کی نظر سانپ پر پڑی۔ وہ فوراً صورتِ حال کی سنگینی کو سمجھ گیا اور بڑی تیزی سے اُلٹے قدموں گھر کی طرف دوڑا۔

میں نے کن انکھیوں سے سانپ کی طرف دیکھا۔ وہ بار بار پھنکار کر مجھے ڈرا رہا تھا۔ اسی وقت رضا اپنے گھر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں اسپرے کرنے والی مشین تھی۔ وہ کار کی دوسری طرف سے آیا اور ناک پکڑ کر مجھے اشارہ کیا۔ میں اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ وہ مجھے سانس روکنے کو کہہ رہا تھا۔ میں نے ایک لمبی سانس لی اور سانس روک لی۔ اس کے بعد رضا نے اسپرے مشین سے سانپ پر اسپرے کر دیا۔ اسپرے مشین میں شاید بے ہوشی کی دوا تھی۔ سانپ پر جیسے ہی دوا کی پھوار پڑی وہ

اُچھلا۔اس نے مجھے ڈسنے کی کوشش کی، مگر میں نے چیختے ہوئے دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگادی۔سانپ میرے پیروں سے لپٹا ہوا باہر گرا۔میں نے اسے جھٹکا اور دور جا کھڑا ہوا۔

''ارے ارے، اب گھبراؤ مت۔ یہ بے ہوش ہو چکا ہے۔'' رضا بولا اور اس نے سانپ اپنے ہاتھوں میں ایسے اُٹھا لیا جیسے وہ ربر کا ہو۔میں گاڑی کو تالا لگا کر اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔اتنی دیر میں، میں نے اسے مختصراً ساری بات بتا دی۔رضا سانپ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ملازم نے میرے سامنے چائے رکھ دی۔میں چائے پینے لگا۔

تھوڑی دیر میں رضا بھی کمرے میں داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں وہی سانپ تھا۔اس نے سانپ کو میرے اوپر اُچھالتے ہوئے کہا:''یہ تو بالکل بے ضرر ہے۔''

''کیا مطلب!''میں سانپ سے بچتے ہوئے بولا۔

''مطلب یہ کہ تم نے اسے گولی ماری تھی تو گولی نے اس کے زہریلے دانت ہی اُڑا دیے تھے۔'' رضا نے جواب دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟''میں حیرت زدہ رہ گیا۔

''تم نے بتایا تھا کہ جب تم نے اسے گولی ماری تو یہ شکار کر رہا تھا۔لہٰذا جیسے ہی اس نے شکار کرنے کے لیے اپنے زہریلے دانت باہر نکالے،تم نے گولی چلا دی اور گولی نے اس کے دونوں زہریلے دانت ختم کر دیے اور تم راستے بھر ایک بے ضرر سانپ سے ڈرتے رہے، جو کسی کو ڈسنے کے قابل نہیں ہے۔'' رضا ہنستے ہوئے بولا اور میرے منھ سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی۔

مرے اقبال کی نظمیں

ارسلان اللہ خاں

دلوں کو جگمگاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں
ہر اک شاہیں کو بھاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

حقیقت میں ہے اُن کی شاعری تفسیر قرآں کی
کلامِ حق سکھاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

نبیؐ کے عشق کی شمعیں جو کر دیں قلب کو روشن
وہی شمعیں جلاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

یہی پیغام دیتی ہیں کہ اُمت ایک ہو جائے
ہمیں باہم ملاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

جگاتی ہیں دلوں میں جذبۂ خودداریٔ مومن
ہمیں جینا سکھاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

وہ ''شکوہ'' ہو کہ ''ذوق وشوق'' یا ''ابلیس کی شوریٰ''
ہمارے ذہن کو کیسے جگاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

تمدّن کیا ہے اور تہذیب کیا ہے اپنے آباؑ کی
ہمیں سب کچھ بتاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

کبھی ٹیپو کے قصوں سے کبھی طارق کی عظمت سے
مری ہمت بندھاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

سنا کے ہم کو قصے ، عہدِ رفتہ کے
ہمارا دل بڑھاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

سبھی بچے، بڑے، بوڑھے انھی سے فیض پاتے ہیں
سبھی کو راس آتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

سنو! اے ارسلاںؔ! اقبال کے شاہین ہو تم بھی
یہی تم کو جتاتی ہیں مرے اقبال کی نظمیں

پاکستانی کرنسی کا سفر

رانا محمد شاہد

جولائی ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے مالیاتی نظام کا آغاز ہوا۔اس کے بعد پاکستان میں نئے کرنسی نوٹوں کی تیاری اور اپنے سکیورٹی پرنٹنگ پریس کے لیے کوششیں تیز کردی گئیں۔اس سے پہلے یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو حکومتِ پاکستان نے ایک پائی، آدھا آنہ، دوآنہ، نصف روپیہ اور ایک روپیہ مالیت کے سات سکوں کا سیٹ جاری کیا جسے اس وقت کے وزیرِ خزانہ غلام محمد نے ایک تقریب میں خوب صورت سیٹ کی صورت میں قائداعظم کی خدمت میں پیش کیا۔

قیامِ پاکستان کے وقت جن کرنسی نوٹوں کا استعمال کیا گیا تھا وہ ریزروبینک انڈیا کے جاری کردہ تھے۔ یہ بینک غیر منقسم ہندستان کی ملکیت تھا۔ تقسیم کے فوراً بعد چوں کہ پاکستان کی اپنی کوئی کرنسی نہ تھی اس لیے بحالتِ مجبوری اسی بینک کے جاری کردہ ایک، دو، پانچ، دس اور سوروپے کے نوٹ استعمال میں لائے گئے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے مطابق ان نوٹوں کا استعمال ۳۰ ستمبر ۱۹۴۸ء تک ہوا۔ ان کرنسی نوٹوں کی پیشانی پر انگریزی اور اردو میں حکومتِ پاکستان بھی درج تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان نوٹوں کی پیشانی پر غیر منقسم ہندستان کے گورنر جنرل کی تصویر بھی موجود تھی۔ ان نوٹوں کی ایک اور خاص بات یہ تھی کہ ان کی پشت پر مختلف قسم کی تصاویر شائع کی گئی تھیں۔ پانچ روپے کے نوٹ پر ہرن، دس روپے کے نوٹ پر کشتی جب کہ سو روپے کے نوٹ پر چیتے کے منھ والی تصویر چھاپی گئی تھی۔ یہ نوٹ ہلکے سبز اور نیلے رنگ کے تھے۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کو حکومتِ پاکستان نے اپنے کرنسی نوٹ جاری کیے۔ جو پانچ، دس اور سوروپے کی مالیت کے تھے۔ ایک ہنگامی صورتِ حال کے تحت جب یہ نوٹ چھاپے گئے تو مختلف رنگوں میں ڈھلے ان نوٹوں کی بناوٹ قابلِ دید تھی۔ پانچ روپے کا نوٹ گہرے نیلے رنگ، دس روپے کا نوٹ نارنجی، جب کہ سوروپے کا نوٹ گہرے سبز رنگ کا تھا۔ ان نوٹوں کی بناوٹ کچھ یوں تھی کہ ان سب نوٹوں کی پیشانی پر دائیں طرف چاند ستارہ بنا ہوا تھا۔ بائیں طرف رقم کا ہندسہ درج تھا اور درمیان میں اردو میں رقم درج تھی۔ ۱۹۴۹ء میں مزید نئے نوٹ چھاپے گئے۔ جو ایک اور دو روپے مالیت کے تھے۔ ایک روپے کا نوٹ ہرے رنگ کا تھا اور پشت پر شاہی قلعے میں بنے ''نولکھا سائبان'' کی تصویر تھی۔ جب کہ دوروپے کے نوٹ پر مقبرہ جہانگیر کا مینار تھا اور پشت پر بادشاہی مسجد کی تصویر نمایاں تھی۔ یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ ایک روپے کے نوٹ پر وزارتِ داخلہ کے سیکریٹری وکٹر ٹرز کے دستخط تھے۔ جب کہ دوروپے کے نوٹ پر پہلی مرتبہ اسٹیٹ بینک کے گورنر زاہد حسین کے دستخط شائع ہوئے۔ اس سے پہلے جو کرنسی نوٹ چھاپے گئے ان پر وزیرِ

خزانہ غلام محمد کے دستخط ہوتے تھے۔

۱۹۵۱ء میں اسٹیٹ بینک کی طرف سے مزید نوٹ چھاپے گئے۔ ان میں پانچ، دس اور سو روپے کے نوٹ شامل تھے۔ پانچ روپے کے نوٹ پر خیبر پاس، دس روپے کے نوٹ کی پیشانی پر شالامار باغ اور اس کی پشت پر مکلی کے مقبرے کی تصاویر چھاپی گئیں۔

۲۴ر دسمبر کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے سو روپے مالیت کا نیا کرنسی نوٹ جاری کیا۔ جس پر پہلی مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر شائع کی گئی۔ اس نوٹ کی پشت پر بادشاہی مسجد لاہور کی تصویر تھی۔

پاکستان میں پہلی بار یکم جنوری ۱۹۶۱ء کو اعشاری سکے جاری کیے گئے۔ جس کے بعد ایک پائی، پیسہ، اکنی، دونی، چونی اور اٹھنی کی مالی حیثیت ختم ہوگئی اور ان کی جگہ ایک، دو، پانچ، پچیس، پچاس اور ایک روپے کے سکے نے لے لی۔

۱۲ر جون ۱۹۶۴ء کو اسٹیٹ بینک نے پچاس روپے مالیت کا کرنسی نوٹ جاری کیا۔ جس پر اس وقت کے گورنر اسٹیٹ بینک شجاعت علی کے دستخط تھے۔

۲۰ر جنوری ۱۹۸۲ء کو حکومتِ پاکستان نے ایک روپیہ جب کہ اس کے بعد پانچ، دس، پچاس اور سو روپے کے چار نئے کرنسی نوٹ جاری کیے۔ چوں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد یہ نوٹ جاری کیے گئے تھے، اس لیے ان پر بنگالی زبان میں کی عبارتیں حذف کردی گئی تھیں۔ ان کرنسی نوٹوں کی دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس کی پشت پر اردو میں ''رزقِ حلال عین عبادت ہے'' درج تھا۔

یکم اپریل ۱۹۸۶ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ۵۰۰ روپے مالیت کا نیا کرنسی نوٹ جاری کیا۔ تقریباً ایک سال بعد ۱۸ر جولائی ۱۹۸۷ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ایک ہزار روپے کا کرنسی نوٹ جاری کیا۔ جو مالیت کے اعتبار سے اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا کرنسی نوٹ تھا۔

۲۰۰۵ء میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے نئے ڈیزائن کے نوٹوں کی سیریز جاری کی گئی۔ اس کا آغاز بیس روپے مالیت کے نوٹ کے اجرا سے ہوا۔ مختلف مالیتوں (۵ روپے، ۲۰ روپے، ۵۰

روپے،۱۰۰ روپے، ۵۰۰ روپے،۱۰۰۰ روپے،۵۰۰۰ روپے) کے نئے ڈیزائن کے بنائے نوٹوں کی مکمل سیریز کا اجراء کیا گیا۔ کرنسی میں جدت لانے کا مقصد نوٹوں کی سکیورٹی، پائیداری اور جمالیاتی معیار کو بہتر کرنا تھا۔

۲۶ رمئی ۲۰۰۶ ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی گورنر شمشاد اختر نے ملکی تاریخ کے سب سے بڑے کرنسی نوٹ کے اجراء کا اعلان کیا۔ جس کی مالیت ۵۰۰۰ رپے تھی۔

پاکستانی کرنسی کے مختلف ادوار:

پاکستان میں چھپنے والے کرنسی نوٹوں کو چھے مرکزی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور وہ ہے جب قیامِ پاکستان کے بعد تقریباً ایک برس تک پاکستانیوں نے غیر منقسم ہندستان کے مرکزی ''بینک آف انڈیا'' کے چھاپے نوٹ استعمال کیے۔

قیامِ پاکستان کے تقریباً ایک سال بعد یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ان نوٹوں کی اشاعت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس وقت بینک دولت آف پاکستان نے اپنے کرنسی نوٹ چھاپے۔

تیسرا دور یکم مارچ ۱۹۴۹ء سے پندرہ ستمبر ۱۹۵۳ء تک کا ہے۔ جب مزید نئے کرنسی نوٹ چھاپے گئے۔

چوتھا دور ۱۹۵۶ء سے شروع ہو کر ۱۹۷۰ء تک جاتا ہے۔ اس دور میں پہلی بار کرنسی نوٹوں پر بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر چھاپی گئی۔

پانچواں دور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۸ء تک کا ہے۔ اس دور میں پاکستانی کرنسی سے بنگالی زبان میں چھپنے والے حروف حزف کیے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ چائے کے باغات، دریاؤں اور کشتیوں کی تصاویر بھی ہٹا دی گئی۔

پاکستانی کرنسی کا چھٹا دور حالیہ دور ہے۔ ۱۳ر اگست ۲۰۰۵ء کو پاکستان میں نئے کرنسی نوٹ متعارف کروائے گئے، جواب تک زیرِ استعمال ہیں۔

ہوا سے باتیں

قدسیہ جبیں

ٹھنڈی ٹھنڈی تیز ہواؤ!
پتوں کے اندر سے گزرو
نیچے سے اوپر کو پہنچو
سائیں سائیں، شائیں شائیں
جو بھی گھر سے باہر نکلے
اپنی آنکھیں جھپک کے بچے
آنکھ مچولی مل کر کھیلیں
پیڑ اور پنچھی ، پیارے بچے

چلتی جاؤ ، چلتی جاؤ
پانی کے اوپر سے جاؤ
گھومتی جاؤ ، چکر کھاؤ
بھوتوں جیسے نغمے گاؤ
کھینچ کے اس کو واپس لاؤ
جب بھی ڈھونڈیں نظر نہ آؤ
میں چھپ جاؤں، تم چھپ جاؤ
دوست ہیں تیرے ، ہاتھ ملاؤ

شین شرارت

طنز و مزاح کے اس سلسلے میں لطائف، مزاحیہ واقعات، مزاحیہ اشعار، دلچسپ کارٹون یا تصاویر بھی بھجوائی جا سکتی ہیں

لڑکی کو دیکھنے لڑکے والے گھر آئے تو لڑکی کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہا: ''بیٹی! شرماؤ مت، کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لو۔''

لڑکی نے شرماتے ہوئے لڑکے کی والدہ سے پوچھا: ''اگر آپ لوگ یہ آخری سموسا نہیں کھا رہے ہیں تو میں کھا لوں؟''

سیدہ ماہم، کراچی

نوازش: ''ایک دفعہ میرے ابا نے ایک چلتی ٹرین ہاتھ سے روک لی تھی۔''

عشرت: ''سچ! پھر تو وہ بڑے طاقت ور ہیں۔''

نوازش: ''ہاں، انھوں نے پوری طاقت سے زنجیر کھینچی تھی۔''

فاطمہ توقیر، کراچی

ایک مریض ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا اور کہا:

''ڈاکٹر صاحب! مجھے ایک عجیب سی بیماری ہے مجھے سونے کے بعد نیند نہیں آتی۔ کھانا کھانے کے بعد بھوک نہیں لگتی اور جب کام کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔''

ڈاکٹر: ''کوئی خطرے والی بات نہیں ہے۔ ساری رات دھوپ میں بیٹھو، ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

وسیم احمد انصاری، اورنگی ٹاؤن

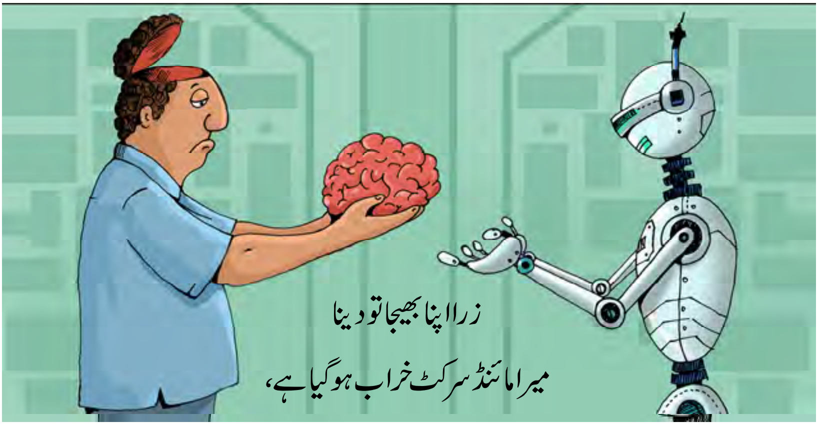

ڈاکٹر نے مریض کی درخواست پر اس کی میموری واش کرکے پوچھا: ''بتاؤ، تمھیں کچھ یاد آرہا ہے؟''
مریض: ''صرف بیوی کا نام یاد ہے۔''
ڈاکٹر: ''سب کچھ فارمیٹ ہوگیا، لیکن وائرس نہیں گیا۔''

باسل بٹ، لاہور

امریکا نے ایک مشین بنائی جو چور پکڑتی تھی۔ مختلف ملکوں میں اس کا تجربہ کیا گیا۔ امریکا میں تیس منٹ میں پندرہ چور پکڑے گئے۔ روس میں تیس منٹ میں بیس چور پکڑے گئے۔ اسپین میں تیس منٹ میں تیس چور پکڑے گئے۔ انگلینڈ میں تیس منٹ میں ۶۰ چور پکڑے گئے۔ انڈیا میں تیس منٹ میں ۳۰۰ چور پکڑے گئے اور پاکستان میں پندرہ منٹ میں مشین ہی چوری ہوگئی اور کچھ دن بعد اس کی نقل مارکیٹ میں فروخت ہونے لگی۔

محمد سعد سردار، کراچی

دو فرانسیسی اخبار نویس بلغاریہ کے دیہات کی سیر کرتے ہوئے راستہ بھول گئے۔ وہ قریب کے اسٹیشن کا راستہ معلوم کرنا چاہتے تھے، لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ بلغاریہ کی زبان نہیں جانتے تھے۔ گاؤں والوں میں کوئی شخص فرانسیسی زبان نہیں جانتا تھا۔
راستے میں انھیں ایک شخص ملا جو گھوڑا گاڑی پر

گھاس لادے جا رہا تھا۔ اخبار نویسیوں نے اس سے فرانسیسی زبان میں پوچھا: ''اسٹیشن کس طرف ہے؟''

گاڑی والا حیران ہو کر ان کا منھ تکنے لگا۔ اچانک ان کے ذہن میں اظہار خیال کی عجیب ترکیب آئی۔ ایک اخبار نویس انجن بن گیا اور دوسرا ریل کا ڈبا۔ ایک نے انجن کی طرح سیٹی بجائی اور پھر بھک بھک کر کے ہاتھوں کو پہیوں کی طرح گردش دیتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ گاڑی والا مسکرایا، جیسے اس کی سمجھ میں بات آ گئی ہو۔ اس نے اشارہ کیا۔ دونوں گاڑی پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک عمارت کے سامنے کھڑے تھے جس پر فرانسیسی میں لکھا تھا: ''پاگل خانہ۔''

ایبہا ریان، نارتھ کراچی

ایک گاؤں کا سردار کسی مقدمے کا فیصلہ سنا رہا تھا کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور فریاد کرنے لگا: ''سردار! آپ کے گاؤں کے قریب ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا ہے۔ رقم، کپڑے، تلوار کے ساتھ جوتیاں تک لے گئے ہیں۔''

سردار نے کہا: ''تمھارے جسم پر یہ بنیان تو موجود ہے اسے ڈاکو نہیں لے گئے؟''

''نہیں جی، بنیان تو چھوڑ گئے۔'' فریادی نے کہا۔

''تو پھر یہ ڈاکو ہمارے علاقے کے نہیں ہیں، کہیں اور کے ہوں گے، ہمارے ہاں ایسے ادھورے کام نہیں ہوتے۔''

کاشف علی، فیصل آباد

ڈاکٹر صاحب نے حلوائی کی دوکان پر بڑے بڑے حروف میں لکھا دیکھا: ''ہمارے گلاب جامن میں دوسری تمام دوکانوں سے کم کیلوریز ہوتی ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

''میرے گلاب جامن دوسری تمام دکانوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔'' حلوائی نے بردباری سے جواب دیا۔

عمران جاوید، راولپنڈی

جج: (مجرم سے) ''جس پستول سے قتل ہوا ہے، اس پر تمھاری اُنگلیوں کے نشان ہیں۔''

مجرم: ''یہ بالکل غلط ہے۔ اس وقت تو میں نے دستانے پہن رکھے تھے۔''

حمیرا عابد، ملتان

ایک آدمی نے ٹیکسی سے اُتر کر ڈرائیور کو دوسو روپے دیے۔

ڈرائیور: ''آپ کے بیٹے نے کل تین روپے دیے تھے۔''

آدمی (سنجیدگی سے): ''وہ کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہے، میں تو یتیم ہوں۔''

حلیمہ صابر اعوان، ہری پور

ایک بیگم صاحبہ گرمیوں کی چھٹیوں میں بچوں کو لے کر میکے چلی گئیں اور روز شام کو فون کر کے شوہر سے پوچھتیں: ''کہاں ہیں آپ؟''

وہ صاحب جواب دیتے: ''گھر پر ہوں اور کہاں جانا ہے مجھے۔''

بیگم کہتی جوسر چلا کر دکھائیں۔ شوہر اُٹھ کر جوسر چلا دیتا۔ گھرر......گھرر......گھرر۔

ایک شام بیگم بغیر بتائے واپس آ گئیں، دروازے پر تالا تھا۔

پڑوسن سے پوچھا: ''یہ کب آتے ہیں، کچھ پتا ہے؟''

پڑوسن نے کہا: ''صبح جوسر لے کر نکلتے ہیں واپس پتا نہیں کب آتے ہیں۔''

سعد محمود، حیدر آباد

ایک کمپنی کے افسر نے اپنے ملازم سے کہا: ''کیا تم موت کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہو؟''

''جی ہاں، جناب!'' ملازم نے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو میری اُلجھن رفع ہو گئی۔''

افسر نے کہا: ''کل تم اپنے دادا کی تدفین کے لیے گئے تھے۔ تمھارے جانے کے دو گھنٹے بعد تمھارے دادا عالمِ بالا کی طرف جاتے وقت تم سے ملنے آئے تھے۔''

نوید عالم، پشاور

Press ad

لیجیے درِ حیرت کھلتا ہے - ہر تصویر شاہ کار، ہر تخلیق عجوبہ

Press ad

صرف سگریٹ ہی نقصان دہ نہیں

سگریٹ کا دھواں بھی صحت کے لیے مضر ہے

ہر اُس جگہ سے دور رہیں جہاں سگریٹ پی جا رہی ہو

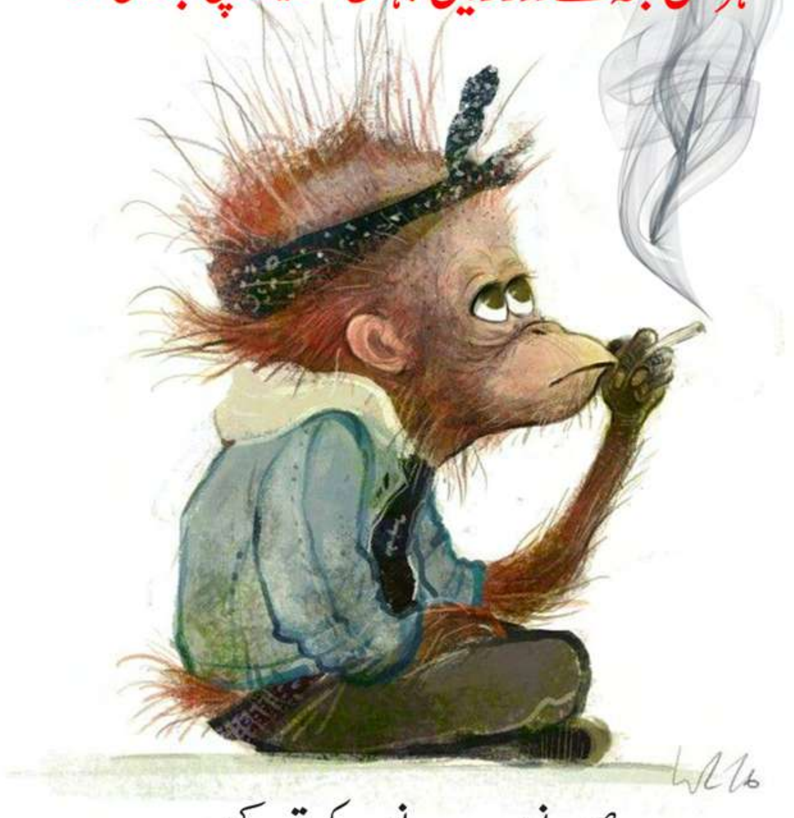

صحت نعمت ہے ، نعمت کی قدر کیجیے

نونہال مصوّر

کنزیٰ ریحان، کراچی

ہنیہ کلیم، لاہور

ایمن شاہد، میرپورخاص

سیدہ فاطمہ شعیب، کراچی

فاطمہ توقیر، کراچی

سید محمد احمد، کراچی

محمد معیز، ٹنڈوآدم

بلال صفدر، راولپنڈی

محمد بلال آصف، ڈیرہ نواب صاحب

رمشاء، کراچی

آمنہ توقیر، کراچی

زینب سلیم، کراچی

نور آغا، حیدر آباد

Press ad

لو پھر سے ہوا سویرا

تنویر انجم

آکاش پہ اُبھرا سورج — اور رخصت ہوا اندھیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
گئے رات کے خواب سہانے — پھر دن کے شور کا ڈیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
چھوڑا دانہ چگنے کو — پنچھی نے رین بسیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
دہقاں نے ہل کو چلاتے — کھیتی میں بیج بکھیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
پانی میں جال بچھائے — کشتی میں گائے مچھیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
مستی میں ناگن جھومے — اور بین بجائے سپیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
اسکول میں پہنچے پھر ہم — اور کام نے ہم کو گھیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
یہ وقت کا چلتا پہیا — ہے دن اور رات کا پھیرا
لو پھر سے ہوا سویرا
ہے شاعر کا یہ کہنا — جو سب کا درد نہ سمجھے
وہ تیرا ہے نہ ہی میرا
لو پھر سے ہوا سویرا

Press ad

سفرنامۂ امریکا

سلیم مغل

سان فرانسسکو کی سڑکوں پہ

ایک لڑکا سا میں نکل آیا

لاس اینجلس میں تین روزہ قیام کی خوشگوار حسین یادوں کو دل و نگاہ میں سمیٹ کر میں اگلی منزل کے لیئے روانہ ہوا اور ڈیڑھ گھنٹے کے فضائی سفر کے بعد سان فرانسسکو پہنچ گیا۔

میری بیٹی رمیصاء مجھے لینے کے لیئے ائیر پورٹ آئی ہوئی تھی۔ اس کی خوشی دیدنی تھی، اس کی اداس آنکھوں میں اپنے اماں ابّا اور بھائی بہنوں کو دیکھنے کی جو تڑپ تھی میں اسے ان آنسوؤں کی کی صورت دیکھ رہا تھا جو خوشی سے اس کی آنکھوں میں امڈ آئے تھے۔ وہ بار بار مجھ سے لپٹ جاتی۔

Google

SILICON
VALLEY
ORACLE

California
56
Streets
STOP

آنکھیں موند لیتی اور دیر تک سکون پاتی ۔ بچے ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوں تو رشتوں کے اس حسین تعلق کو محسوس نہیں کیا جا سکتا، لیکن سال بھر کی دوری کیا حال کر دیتی ہے اس کا اندازہ مجھے ایک موقعہ پر اس تصویر سے بھی ہوا جو رمیصاً کی انڈین دوست شرایو نے لی۔ اس تصویر میں رمیصاً میرے بازو سے لپٹی ہوئی ہے، محبت، سکون اور اطمینان کی کیفیات کو اس کے چہرے پہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بیٹیاں بھی اللہ کا کیسا عطیہ ہیں۔ ان کا وجود راحت ہے، سکون ہے، اطیمنان ہے اور خوشی ہے۔ جہاں یہ ہیں، وہاں رحمتیں اور برکتیں ہیں۔

رمیصاً کے گھر پہنچے تو بہت اچھا لگا۔ رمیصاً کا اپارٹمنٹ سان فرانسسکو کے نہایت خوب صورت مقام پہ ہے۔ گھر کی گیلری میں کھڑے ہوں تو خلیج بحرالکاہل اور بے برج کا دلکش نظارہ چند قدم پر آنکھوں کے بالکل سامنے ہے۔ واک کرنے کے لیئے نہایت عمدہ ٹریک اور شہر کے ہر مقام تک رسائی کے لیئے ریلوے اسٹیشن گھر سے تقریباً جڑے ہوئے ہیں۔ یہ اپارٹمنٹ جس میں رمیصاً رہتی ہے کسی بھی طرح کسی معیاری فوراسٹار ہوٹل سے کم نہیں۔ اس اپارٹمنٹ میں ہر وہ سہولت موجود ہے، جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

اس اعتبار سے بھی رمیصاً بہت خوش قسمت ہے کہ اس کی پارٹنرز دو باکمال انڈین بچیاں ہیں جو اچھی انسانی صفات سے مالا مال ہیں۔ اپنے مختصر قیام میں مجھے ہر لمحے ایسا لگا جیسے رمیصا اکیلی نہیں بلکہ اپنی بہنوں امیمہ اور بسمہ کے ساتھ رہ رہی ہے۔ ایک موقعہ پر رمیصاً نے بتایا کہ ''ابو یہ جو شرایو ہے نا، یہ ہے تو میری ہم عمر لیکن یہ میرا خیال بالکل ماؤں کی طرح رکھتی ہے۔'' جیتی رہو شرایو اور درشینی ...... میں نے سان فرانسسکو سے روانہ ہوتے ہوئے شرایو سے کہا کہ ''اگر تمھاری امی کا فون آئے تو ان سے ضرور کہہ دینا کہ آپ وہ خوش قسمت ماں ہو جسے دنیا کی سب سے اچھی بیٹی عطا ہوئی۔'' شرایو کھل اٹھی۔ چلتے چلتے شرایو نے ایک تحفہ مجھے دیا۔ اردو نہ جانتے ہوئے بھی اس تحفے

پر ایک خوب صورت سطر میرے لیئے تحریر کرہی دی۔
سان فرانسسکو میرے لیئے پریوں کے دیس والا وہ کوہ قاف ہے، جہاں قدم قدم پر حیرتیں ہیں، تعجب ہے، تجسّس ہے۔ یہاں جن، بھوت، دیو اور جادوگر رہتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا علاقہ عجیب حیرت کدہ ہے۔ یہ آئی ٹی انقلاب کی سرزمین ہے، جہاں دنیا کے ذہین ترین لوگ بیٹھے ہوئے نئی دنیاؤں کو تسخیر کررہے ہیں۔ میں آپ کو بہت سی جگہوں کی سیر کرواوں گا۔۔مگر آج کا دن اپنی بیٹی کے نام میں رمیصاً کے گھر کی بالکنی میں کھڑا ہوا بحرالکاہل کے اس آبی حصے کو دیکھ رہا ہوں جسے ''بے آف سان فرانسسکو'' کہتے ہیں۔تصویر میں BayBridge بھی نمایاں ہے جو یہاں کا مشہور لینڈ مارک ہے۔ایک جہاز گذشتہ دو ہفتوں سے یہاں لنگر انداز ہے اور جانے کیوں اس منظر کا مستقل حصہ بن کر رہ گیا ہے۔
میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ سان فرانسسکو محض امریکہ کا ایک خوب صورت شہر نہیں یہ ایک جادو نگری ہے، جہاں قدم قدم پر حیرتیں ہیں، تجسس ہے تحیرّ ہے مگر سب کے لیے نہیں، صرف ان کے لیے جو علم کو انسانی عقل کی معراج مانتے ہیں اور تسخیر کائنات کو انسانی زندگی کا مقصد عظیم سمجھتے ہیں، مگر آیئے پہلے اس شہر کے متعلق کچھ بنیادی باتیں جان لیں۔
سان فرانسسکو امریکہ کی تیسری بڑی ریاست کیلی فورنیا کے شمالی حصے میں واقع امریکہ کا چوتھا بڑا شہر ہے جس کی کل آبادی 90 لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔اس شہر کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے، مگر پہاڑی بھی ایسی کہ جہاں شہر کی بیشتر سڑکیں کسی سرکس کے جھولے کی طرح کہیں انتہائی پستی میں اترتی ہیں اور کہیں غیر معمولی بلندیاں چڑھتی ہیں۔ تین اطراف سے سمندر میں گھرا ہوا یہ شہر اپنے غیر متوقع موسموں کے حوالے سے بھی بڑی شہرت رکھتا ہے۔ یہاں چار موسموں کا کوئی تصور نہیں، یہاں کسی لمحے کوئی بھی موسم اچانک نمودار ہو جاتا ہے۔ نہ تو سخت گرمی ہوتی ہے نہ برف باری البتہ سرد موسم اور بارشیں کسی بھی وقت نمودار ہوسکتی ہیں۔اسی لیے لوگ موسموں کی پیش گوئی سن یا پڑھ کر اپنے

لباس یا سفری ذرائع کا انتخاب کرتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے ناں کہ شہر کے آئندہ 24 گھنٹوں کی موسمیاتی پیش گوئی کی چارٹ پر شہر کے دس حصوں کے موسم اکثر ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف نظر آتے ہیں۔ اس شہر کا شمار امریکہ کے مہنگے ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یہاں کام کرنے والوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو مہنگائی کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے اپنے کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد شہر سے دور کسی مقام پر رہنا پسند کرتے ہیں۔

سان فرانسسکو جیولوجی کی زبان میں فالٹ لائین پر واقع ہے، اس لیے یہاں زلزلے آتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا پہلا زلزلہ 14 مئی کو اسی شہر میں بھگتا۔ بستر پہ لیٹے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ کچھ ہل جل سی ہے۔ پھر کچن سے برتن گرنے کی آوازیں آئیں تو میں چلایا ''رمیصاً یہ سب کچھ کیا ہے۔'' رمیصاً نے نہایت اطمینان سے جواب دیا'' کچھ نہیں ابو زلزلہ ہے، ابھی چلا جائے گا۔'' اف میرے خدایا'' تم پاگل ہوگئی ہو'' میں نے رمیصاً کو ڈانٹا مگر وہ مسلسل مسکراتی رہی۔ یہاں تک کہ زلزلہ چلا گیا۔ بعد میں یہ جانا کہ اس طرح کا زلزلے یہاں کا معمول ہیں۔ بڑی تباہی والے زلزلے ڈیڑھ سو سال میں صرف ایک بار آتے ہیں اور ابھی یہ عرصہ مکمل ہونے میں کافی وقت باقی ہے۔

سان فرانسسکو Bay پر ہی واقع شہر سین جوز کو بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو پھر یہ علاقہ ایجادات، اختراعات، تخلیقات، سوشل میڈیا اور ہائی ٹیکنالوجی کے حوالے سے دنیا کا سب سے بڑا مرکز بن جاتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی ہائی ٹیک کارپوریشنز یہاں پائی جاتی ہیں، ہزاروں اسٹارٹ اپ کمپنیز یہاں اپنے وجود کی بقا اور بڑھوتری کے لیے کام کر رہی ہیں۔ آئی ٹی یا کمپیوٹر سرگرمیوں کے حوالے سے ہی اسے ''سلیکان ویلی'' کہا جاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ سلیکان ویلی کی اصطلاح دراصل سلیکون چپس کی اختراع وایجاد یا بڑے پیمانے پر پروڈکشن کے باعث وجود میں آئی۔ آج محض سلیکان ویلی ہی کے وجہ سے کیلیفورنیا دنیا کی پانچویں بڑی معیشت ہے، کیا آپ کو یقین آئے گا کہ زیورخ، سوئیٹرز رلینڈ اور ناروے کے بعد سلیکون ویلی دنیا کی سب سے بڑی جی ڈی پی پر کیپیٹا کا اعزاز اپنے پاس رکھتی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سان فرانسسکو کی غیر معمولی اہمیت محض صنعتوں کی کثرت یا بڑے اور نامور اداروں کی موجودگی سے نہیں، بلکہ اس کی اصل اہمیت عہد جدید کے وہ ادارے ہیں جو نئی دنیاؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نئے آسمانوں کو تسخیر کر رہے ہیں اور دنیا کو آنے والے زمانوں کی راہ دکھا رہے ہیں۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر یہ ادارے آج بند ہو جائیں تو پوری دنیا کا نظام ٹھپ ہو جائے اربوں انسانوں کے باہمی رابطے ختم ہو جائیں اور دنیا ناقابل تلافی نقصان کی زد میں آ جائے۔
آئی ٹی، انجینیر نگ، مینجمنٹ اور اقتصادیات کے غیر معمولی ماہرین یہاں اپنی صلاحیتوں کے جادو جگا رہے ہیں۔ انہی قابل ترین لوگوں کی یہ دولت سیلکان ویلی محض ویلی نہیں جادونگری ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ سیلکان ویلی نے کیسے کیسے بڑے نام دنیا کو دیے ہیں:

Microsoft/ Amazon / Twitter/Facebook/Google/Yahoo/ more many and Tesla/ Apple/ Uber/ LinkedIn/ pixer

ان تمام اداروں کے متعلق علیحدہ علیحدہ بہت تفصیل سے لکھا جا سکتا ہے۔۔ میری خواہش تھی کہ میں آپ کو Tesla کے متعلق بتاتا کہ کس طرح Tesla نے توانائی کے مسائل سے جملہ بے نیاز کار متعارف کروا کے کار انڈسٹری میں انقلاب برپا کر دیا ہے، مجھے اچھا لگتا اگر میں آپ سے یہ شئیر کرتا کہ راکٹ بنانے والی کمپنی مریخ پر لے جانے کے لیئے مسافروں کی بکنگ اس طرح کر رہی ہے جیسے میرے گھر کے قریب گل خان کوچ والے مسافروں کو کوئٹہ کے لیئے بک کر رہے ہیں۔ کیا کیا لکھا جائے۔ امریکہ کا سفر ابھی جاری ہے۔ سفر جوں جوں آگے بڑھ رہا ہے میری مایوسی میں اضافہ ہو رہا ہے.... سچ کہتا ہوں۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ ترقی کی کوئی امید بھی تو نظر نہیں آ رہی۔ ہمارا کیا بنے گا اور کچھ بنے گا بھی یا نہیں؟

انسان اور مشین

فوزیہ خلیل

زرار احمد بیگ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اکاؤنٹنٹ عبدالحسیب اندر داخل ہوا اور بولا:

’’السلام علیکم سر! وہ......میرا بیٹا کئی دن سے بہت بیمار ہے۔ بخار کسی طرح نہیں اُتر رہا۔ براہِ مہربانی مجھے کچھ دن کی چھٹیاں دے دیں، کیوں کہ اس کو اسپتال میں داخل کرانا ہوگا اور......‘‘

’’اور......اور......تاکہ تم بچے کے بہتر نگہداشت کر سکو، مگر عبدالحسیب یہ بھی تو سوچو کہ اگر میں تمام

ملازمین کو اسی طرح چھٹیاں دیتا رہوں گا تو آفس کیسے چلے گا؟''
''سر پلیز۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ صرف ایک ہفتے کی چھٹیاں دے دیجیے۔ اگر بچہ جلد ٹھیک ہوگیا تو میں پہلے ہی حاضر ہو جاؤں گا۔ ہرگز دیر نہیں کروں گا۔'' وہ گڑگڑایا۔
''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔'' انھوں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ عبدالحسیب باہر نکلا تو کچھ دیر بعد خرم فردوسی اندر داخل ہوا۔
''السلام علیکم سر! مجھے صبح سے تیز بخار ہو رہا ہے۔ پہلے تو صرف بخار ہی تھا اب تو چکر بھی آ رہے ہیں۔ سر! اب اس حالت میں مجھ سے بالکل بیٹھا نہیں جا رہا۔ مجھ کو رخصت دیجیے، تاکہ گھر جا کر آرام کروں۔ چکروں نے تو میرا حال خراب کر دیا ہے۔'' خرم فردوسی نے بخار سے کپکپاتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے، تم بھی جاؤ۔''
''اور سر! اگر طبیعت بہتر نہ ہوئی تو کل بھی حاضر نہ ہو سکوں گا۔'' وہ نکلتے نکلتے پلٹ کر بولا۔
''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' زرار احمد بیگ نے ہاتھ ہلایا۔
خرم فردوسی کے جانے کے بعد ان کا موڈ خاصا خراب ہو چکا تھا۔ وہ اپنے آفس کے معاملات میں حد درجہ حساس تھے اور پھر ملازمین کو چھٹیاں دینے سے تو سخت نالاں رہتے تھے۔
وہ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ ابھی پہلا لقمہ ہی منھ میں رکھا تھا کہ کلرک اللہ بخش اندر داخل ہوا۔ سلام کرنے کے بعد وہ کچھ دیر کھڑا رہا پھر بولا: ''جناب! وہ......'' کلرک اللہ بخش کہتے کہتے رک گیا۔
''کیا ہوا؟ کیا تمھارا بچہ بیمار ہے؟ یا تم کو خود بخار ہے۔ کیا تم چھٹیاں لینے آئے ہو۔'' انھوں نے منھ بنا کر اس سے پوچھا۔
''وہ جناب! میری بیٹی کی شادی ہے۔ مجھ کو چھٹیاں بھی چاہییے اور کچھ ایڈوانس رقم کی بھی

ضرورت ہے۔ آپ بعد میں میری تنخواہ سے کاٹ لیجیے گا۔'' وہ رکا پھر بولا: ''وہ......وہ......اصل میں خرچا کافی ہو رہا ہے۔ لڑکے والوں نے زیادہ جہیز کی فرمایش کی ہے تو......'' وہ پھر رک گیا۔

''اللہ بخش! تم چھٹیاں بھی لے لو اور ایڈوانس تنخواہ بھی لے لو۔ اب جاؤ اور مہربانی کر کے مجھے تنہا چھوڑ دو اور ہاں اب میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔ باہر سیکریٹری سے کہہ دینا، اب کسی کو نہ بھیجے۔'' وہ بولے۔

کلرک اللہ بخش تیزی سے باہر نکل گیا۔

زرار احمد بیگ شام کو اپنے گھر میں داخل ہوئے تو ان کا خانساماں کھانا لگا رہا تھا۔ گھر کا کام خانساماں ہی سنبھالتا تھا۔ ان کی بیوی کافی عرصے قبل انتقال کر گئی تھیں۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ ابرار احمد بیگ جو یونی ورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔

''ابرار آ گیا ہے کیا؟'' انھوں نے خانساماں سے پوچھا۔

''جی، چھوٹے صاحب آ گئے ہیں۔ انھوں نے کھانا کھا لیا ہے۔ اب وہ اپنے دوست کی طرف گئے ہیں۔ بس آتے ہی ہوں گے۔''

کھانا کھا کر زرار احمد بیگ اپنے کمرے میں چلے آئے۔ آج ان کا موڈ خاصا خراب تھا۔ انھوں نے اپنے دوست مجاہد آفریدی کے نمبر ملائے۔ مجاہد آفریدی ان کے ایک بہت گہرے اور پرانے دوست تھے۔ وہ اپنی ہر اُلجھن ان سے ضرور کہتے تھے اور وہ اس کا حل بھی بتاتے تھے۔

''آفریدی! میں سوچ رہا ہوں اپنی فرم ہی بند کر دوں۔ ملازمین ہر وقت چھٹیاں مانگتے رہتے ہیں۔ آخر میں کیا کروں۔ ملازمین چھٹیاں کرتے ہیں تو کام کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ میری سمجھ میں تو کوئی حل نہیں آتا۔ آخر میں کروں تو کیا کروں؟ میں تمام ملازمین کو پوری پوری تنخواہ دیتا ہوں بہت کم کسی کی تنخواہ کاٹتا ہوں۔'' انھوں نے اپنی دن بھر کی روداد مجاہد آفریدی کو سنانا شروع کی پھر

بولے: ''بس اب کوئی حل سوچو۔ خدارا۔ میرے لیے کوئی حل سوچو۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کل تک تمھیں کوئی حل بتا سکوں گا۔ مجھے چوبیس گھنٹے دو۔ سوچ و بچار کے لیے۔'' مجاہد آفریدی بولے۔

''چلو ٹھیک ہے۔''

اگلے روز مجاہد آفریدی کا فون آیا۔

''زبردست! میں نے ایک زبردست حل سوچ لیا ہے۔ زرار احمد بیگ! تم یہ حل سن کر اَش اَش کر اُٹھو گے۔ حیران رہ جاؤ گے کہ میں نے کیا سوچا ہے۔ مجاہد آفریدی خوشی سے بولے اور پھر ان کو بتانا شروع کیا۔ وہ سنتے جا رہے تھے اور خوشی سے جھومتے جا رہے تھے۔

......☆......☆......

اگلے مہینے پندرہ ملازمین کو نوکری سے برطرفی کے خطوط مل گئے۔ ان میں اکاؤنٹنٹ عبدالحسیب، خرم فردوسی اور کلرک اللہ بخش بھی شامل تھے۔ سب حیران و پریشان تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ نوکری سے برطرف کرنے کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

اگلے ہی روز آفس میں چند روبوٹ نظر آئے۔ یہ باہر سے منگائے گئے تھے۔ ان روبوٹوں نے آتے ہی آفس کا تمام کام بہترین طریقے سے سنبھال لیا۔ جو کام پانچ آدمی کر رہے تھے، ایک روبوٹ اس سے بھی بہت کم وقت میں کر رہا تھا۔

''واہ وا، اب یہ مشینیں انسان سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں گی۔ یہ کام وقفے کے بغیر چوبیس گھنٹے ہوگا اور تو اور ان کے ساتھ چھٹیوں کا مسئلہ بھی نہیں ہوگا اور اس طرح فرم کا بہت سا پیسہ بچ جائے گا۔''

زرار احمد بیگ خوشی خوشی ہر ایک سے کہتے پھر رہے تھے: ''بھئی واہ! مجاہد آفریدی بھی ہمارا کیسا

دوست ہے بہترین مشورے دیتا ہے۔'' وہ متعدد بار ان کا شکریہ ادا کر چکے تھے۔
ادارے کا کام بہترین طریقے سے چلنے لگا۔ اب اگر کسی کو چھٹی کی ضرورت بھی ہوتی تو وہ مانگتا نہیں تھا کہ کہیں اسے نکال کر روبوٹ کو نہ رکھ لیا جائے۔ جو اس سے کئی گنا زیادہ کام کرے گا۔ روبوٹ کے کام میں کوئی نقص بھی نہیں ہوتا تھا۔ نہ تھکن کا کوئی مسئلہ۔
کچھ سال گزر گئے۔ زرار احمد بیگ کا بیٹا ابرار پڑھنے کے لیے باہر چلا گیا۔ وہ بہت زیادہ تنہائی کا شکار ہو گئے۔ دن بھر تو آفس میں ہوتے تھے، مگر گھر آنے کے بعد وہ بیٹے کو بہت یاد کرتے۔ ملازمین بھی کام کر کے اپنے اپنے کوارٹر میں چلے جاتے تھے۔ اب زرار صاحب بیمار بھی رہنے لگے تھے۔ ان کو بیٹے کی بہت کمی محسوس ہوتی تھی۔ پہلے انھوں نے سوچا کہ ابرار کو فون پر ساری صورتِ حال بتائیں، مگر پھر انھوں نے اس کو ایک میسج بھیجا۔
''پیارے بیٹے! اب میں عمر کے اس حصے میں ہوں کہ مجھے خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مستقل میرے پاس ہو۔ میرا خیال رکھے۔ میری باتیں سنے۔ مجھے بہت تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ اُمید ہے تم میری بات سمجھ گئے ہو گے۔''
جلد ہی ان کو بیٹے کی طرف سے جواب موصول ہو گیا لکھا تھا: ''بابا جان! آپ فکر نہ کریں۔ ان شاء اللہ جلد ہی آپ کی تنہائی دور ہو جائے گی۔'' بیٹے کا جواب پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور بے چینی سے ابرار احمد کا انتظار کرنے لگے۔ ایک ایک دن گزارنا مشکل لگ رہا تھا۔
کچھ دنوں بعد ان کو ایک بڑا، لمبا اور بہت وزنی پارسل ملا۔ لکھا تھا: ''یہ مستقل آپ کے پاس رہے گا۔ خیال رکھے گا۔ آپ کی باتیں سنے گا اور آپ کو تنہائی بالکل محسوس نہ ہو گی۔''
کانپتے ہاتھوں سے انھوں نے پارسل کھولا۔ اس میں ایک روبوٹ تھا بولنے اور باتیں کرنے والا روبوٹ۔ دو آنسو ان کی آنکھ سے ٹپکے اور گریبان میں جذب ہو گئے۔

حصولِ علم و آگہی کے لیے
کتاب ہی اصل منزل ہے

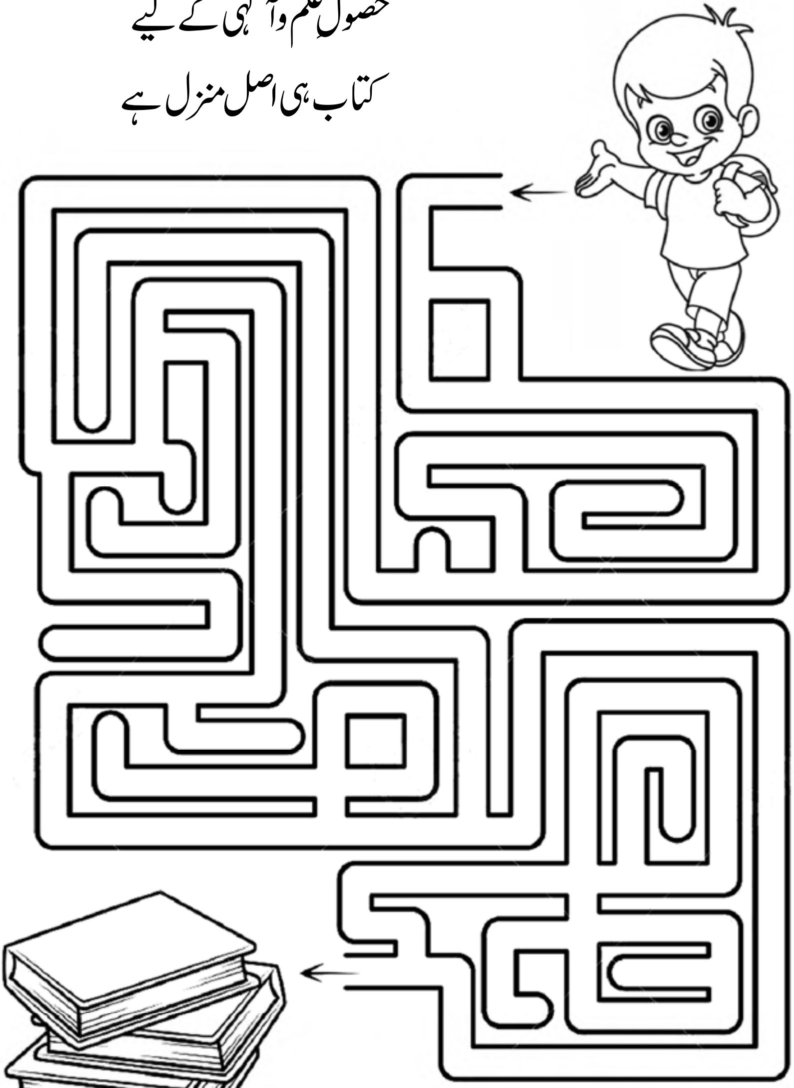

سُپر گپّی

شیخ عبدالحمید عابد

مسٹر حیرت اور مسٹر ناک دونوں پڑوسی تھے اور اکثر ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان کی دوستی بہت پرانی تھی۔ گاؤں والے ان کی دوستی کی مثال دیتے تھے، لیکن ایک بات بہت بُری تھی کہ دونوں دوست اکثر بے پَر کی اُڑایا کرتے تھے اور جس بات پر اَڑ جاتے تھے۔ اس سے پیچھے نہ ہٹتے۔

ایک دفعہ مسٹر حیرت کہنے لگے: ’’میں نے اُڑتی ہوئی گائیں دیکھی ہیں، جو پرندوں کی طرح اُڑتی ہیں۔‘‘

یہ سن کر مسٹر ناک نے جواب دیا: ’’اور میں نے ہتھوڑے اور کیلیں کھیتوں میں اُگتے دیکھی ہیں۔‘‘

یہ جواب سن کر مسٹر حیرت کا منھ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔
ایک دن مسٹر حیرت اور مسٹر ناک لکڑیاں لینے جنگل میں جا رہے تھے۔ مسٹر ناک نے پوچھا:
''میرے دوست! کیا تمھارے پاس نیا کلہاڑا ہے؟''
''ہاں! نیا ہے۔'' مسٹر حیرت نے کہا: ''اور ایسا کلہاڑا تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ یہ صرف لکڑیاں ہی نہیں کاٹتا، بلکہ پتھروں کو بھی کاٹ دیتا ہے۔''
''مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' مسٹر ناک نے کہا: ''پھر بھی میرے کلہاڑے کا جواب نہیں یہ اگر چہ پرانا ہے، لیکن تم نے سنا ہوگا کہ اولڈ از گولڈ۔ کوئی میرے کلہاڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ صرف ایک مرتبہ سان پر رگڑنے کی ضرورت ہے۔ پھر تم چاہو تو اس سے اپنی شیو بنا لو۔''
یہ سن کر مسٹر حیرت کہنے لگے: ''مجھے اپنے کلہاڑے کو چمکانے کے لیے سان کی ضرورت نہیں، ایسا کرنے کے لیے صرف میری ایک پھونک ہی کافی ہے اور پھر میری ایک ضرب بڑے سے بڑے درخت کو نیچے گرانے کے لیے کافی ہے۔''
یہ سن کر مسٹر ناک بھلا کب پیچھے رہنے والے تھے۔ اپنے کلہاڑی کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ کر بولے: ''مجھے صرف کلہاڑے کو ہوا میں لہرانے کی ضرورت ہے بڑے بڑے درخت خود بخود زمین سے کٹ کر نیچے گر پڑتے ہیں۔''
مسٹر حیرت نے کہا: ''اچھا ایسی بات ہے تو ذرا اس سیب کے درخت کو تو کاٹ کر دکھاؤ۔''
مسٹر ناک نے جواب دیا: ''یہ کون سی مشکل بات ہے، لو ابھی دیکھ لو۔''
یہ کہہ کر جونہی انھوں نے کلہاڑا ہوا میں لہرانے کے لیے اُٹھایا، ان کی کنپٹی پر ایک زوردار مکا پڑا اور مسٹر ناک اُچھل کر دور جا پڑے۔
''مسٹر حیرت! یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ درد سے چلاّئے۔
''یہ میری بدتمیزی نہیں ہے، مسٹر ناک! میں ایسی حرکت کبھی نہیں کرتا۔'' مسٹر حیرت بولے۔
اب جو مسٹر ناک نے دیکھا کہ باغ کا مالی مزید پٹائی کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر تو

آپ سمجھ ہی سکتے ہیں کہ دونوں گپی دوست وہاں سے کس طرح رفو چکر ہوئے ہوں گے۔
خزاں کا موسم آیا تو مسٹر حیرت اور مسٹر ناک نے اپنی بندوقیں صاف کیں اور شکار کو نکل کھڑے ہوئے۔
راستے میں مسٹر حیرت کہنے لگے: ''آؤ ہم کسی ریچھ کو تلاش کریں، ہم آسانی سے مار لیں گے۔''
مسٹر ناک نے یہ سن کر حیرت کا تمسخر اُڑایا اور کہا: ''ایک کیا میں تو ایک درجن ریچھوں کو ایک ساتھ مار سکتا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو میں نے ایک گھنٹے میں دو درجن خرگوش شکار کیے تھے۔''
یہ سن کر مسٹر حیرت بھلا کب پیچھے رہنے والے تھے، بولے: ''اور جب میں بچہ تھا تو ایک وقت میں اتنے خرگوش شکار کر لیتا تھا کہ مجھے ان کو لے جانے کے لیے چھکڑے منگوانے پڑتے تھے۔ اس لیے میں صرف موٹے موٹے خرگوش لے جاتا اور باقی کوؤں کے لیے چھوڑ دیتا تھا۔''
''اس میں حیرانی کی کون سی بات ہے!''
مسٹر ناک نے کہا: ''میں نے ایک دفعہ گندم کے دانے جتنی گولی سے چودہ مرغابیاں گرالی تھیں۔''
مسٹر حیرت کہاں پیچھے رہنے والے تھے، تیزی سے بولے: ''تمھیں معلوم ہے ایک دفعہ میرے ساتھ کیا ہوا؟''
''کوئی معمولی سا واقعہ ہوا ہوگا؟'' مسٹر ناک نے طنزیہ انداز میں لقمہ دیا: اصل واقعہ تو میرے ساتھ ہوا تھا، جب شکار کے دوران میری سب گولیاں ختم ہوگئیں تو میں نے ایک چھوٹی سی کیل کو بطور گولی استعمال کر کے دو ہاتھیوں کو ایک ہی وار میں ہلاک کر دیا تھا، بلکہ کیل ہاتھیوں کو چیرتے ہوئے جا کر لومڑی کی دُم پر لگی اور دُم اُڑ کر درخت کی شاخ سے اٹک گئی۔''
مسٹر حیرت نے اس واقعے کا کوئی اثر نہ لیا اور اپنی دُھن میں بولتے گئے: پچھلے سال میں نے اپنی بندوق میں گولی کی جگہ کھانے میں استعمال ہونے والے مسالے ڈال دیے اور مرغابیوں کو نشانہ بنا کر ایک ہی حملے میں سات مرغابیوں کو گرا دیا۔ جب میں انھیں اُٹھانے گیا تو وہ روسٹ ہو چکی تھیں۔ جنھیں میں مزے لے لے کر کئی روز تک کھاتا رہا۔''

''بہتر یہ ہے کہ تم شکار وغیرہ چھوڑ کر کسی گھر کا باورچی خانہ سنبھال لو۔'' مسٹر ناک نے چوٹ کی۔

اسی طرح لڑتے جھگڑتے ہوئے دونوں واپس اپنی بستی پہنچ گئے۔ حال آں کہ دونوں شکار کے لیے نکلے تھے، لیکن انھیں گپیں ہانکنے سے فرصت ہی کب تھی کہ وہ شکار کرتے۔ بستی میں گھروں کے باہر گیلے کپڑے رسیوں پر سوکھ رہے تھے۔ مسٹر ناک نے بندوق اُٹھائی اور ایک سوکھی ہوئی ٹوپی کو نشانہ بنایا، تاکہ مسٹر حیرت پر اپنی نشانہ بازی کا رعب جمانے کا موقع مل سکے۔

مسٹر حیرت نے بھی اپنی بندوق اُٹھالی۔ تب جو دونوں کی بندوقیں چلیں تو سوکھے ہوئے کپڑوں میں گولیاں چھید کر گئیں۔ یہ منظر دیکھ کو دونوں قہقہے لگانے لگے۔

ادھر گولیوں کی آواز سنتے ہی بستی کے لوگ باہر نکل آئے اور یہ دیکھ کر مسٹر حیرت اور مسٹر ناک نے ان کے کپڑے گولیوں سے چھلنی کر دیے ہیں، ان کے پیچھے بھاگے اور پکڑ کر دونوں کی خوب مرمت کی۔ اس کے بعد کئی روز تک تو دونوں کی ہمت نہ پڑی، لیکن بے پَر کی اُڑانے سے وہ کہاں باز رہنے والے تھے۔

ان ہی دنوں خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مسٹر حیرت کی جھونپڑی کو لالٹین سے آگ لگ گئی اور پھیلتے پھیلتے مسٹر ناک کے اسٹور روم تک پہنچ گئی۔ ان کے پڑوسی مدد کو بھاگے کہ آگ بجھائیں، لیکن دونوں دوست آگ پر قابو پانے کے بجائے اونچی ہانکنے لگے۔ مسٹر ناک نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ آگ جمے ہوئے دودھ سے بہتر طور پر بجھائی جا سکتی ہے۔''

مسٹر حیرت نے کہا: ''جمے ہوئے دودھ کے مقابلے میں شہد زیادہ بہتر ہے اس وقت جو آگ لگی ہوئی ہے اس پر ایک ڈرم شہد پھینک دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جائے گی۔''

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ان کے گھر کی چھت سامان سمیت جل کر زمین پر آ گری۔

مسٹر حیرت اور مسٹر ناک پر چھت کا سایہ بھی نہ رہا۔ یہ دیکھ کر دونوں کو احساس ہوا کہ کتنا بھاری نقصان ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس دن کے بعد سے اب تک مسٹر حیرت اور مسٹر ناک بے گھر ہیں۔ دونوں نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اب پڑوسی بھی امن وسکون سے ہیں۔

عظیم معلّم

تفسیر حیدر تفسیر

نوید صاحب ہمارے اسکول کے ہر دل عزیز استاد ہیں۔ ایک دن وہ بتا رہے تھے کہ اساتذہ اپنے شاگردوں کے لیے والدین کے برابر ہوتے ہیں۔ شاگردوں کا مستقبل سنوارتے ہیں۔ پھر انھوں نے کہا کہ آج میں آپ کو دو عظیم اساتذہ کے واقعات سناؤں گا، توجہ سے سنیے۔

جب کمرے میں خاموشی چھا گئی تو نوید صاحب نے کہنا شروع کیا۔ جن لوگوں نے دریائے کنہار دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ نہایت تیز رفتار، طوفانی لہروں اور بپھرتی ہوئی موجوں والا دریا ہے، جسے دیکھنے سے خوف آتا ہے۔

۲ رجون ۲۰۱۴ء کی چمکتی دوپہر کو اس دریا کے کنارے ایثار و قربانی، فرض سے سے محبت اور انسان دوستی کی مثال قائم کی گئی۔

''نصر اللہ شجیع ایک فرض شناس معلم تھے۔ ان کے والد بھی شعبہ تدریس سے منسلک تھے۔ نصر اللہ ابھی میٹرک میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ نصر اللہ شجیع بھی شعبہ تدریس سے منسلک

ہو گئے ۔ شاگردوں سے محبت انھیں ورثے میں ملی ۔ وہ کراچی کی ایک مشہور درس گاہ کے پرنسپل تھے ۔ کراچی کے طالب علموں کے لیے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کی سیر کشش رکھتی ہے ۔ نصر اللہ شجیع بھی اپنے اسکول کے ایک گروپ کو لے کر روانہ ہوئے ۔ کچھ دیر لاہور میں ٹھہرے ۔ کاغان سے پہلیز بالاکوٹ ایک اہم مقام ہے گویا یہ وادی کاغان کا دروازہ ہے ۔سو انھوں نے وہاں قیام کیا ۔ دریائے کنہار، بالاکوٹ میں پہنچ کر طوفان بن جاتا ہے، لیکن پھر بھی بچوں کے لیے دریا کے کنارے تصویریں بنانا ایک دل چسپ تجربہ ہوتا ہے ۔اکثر بچے کوشش کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے کسی بڑے پتھر پر بیٹھ کر تصویر بنوائیں ۔

منتظمین اور اساتذہ کے لیے یہ مرحلہ بڑا دشوار ہوتا ہے ۔ ماں باپ تو بچوں کو اساتذہ کے بھروسے پر بھیجتے ہیں ۔ نصر اللہ شجیع بچوں کے قریب ہی موجود تھے کہ اچانک ایک قیامت خیز لمحہ آ پہنچا ۔ ایک طالب علم سفیان عاصم کا پاؤں پھسلا اور وہ دریا میں گر گیا ۔ بچوں کے نگران پرنسپل نصر اللہ شجیع نے ایک لمحے کی تاخیر بھی نہ کی اور بے خطر دریا میں کود گئے ۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ تیرنا نہیں جانتے ۔ یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا کسی کو تیرنا آتا ہے؟ انھیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال بھی نہ آیا، بس چھلانگ لگا دی ۔ ہوائیں تھم گئیں، سانسیں رک گئیں، لیکن دریا کی طوفانی لہریں ایک استاد اور شاگرد کو اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں ۔ نہ جانے وہ کہاں گئے؟ شاید فرشتوں نے انھیں اپنے پَروں میں چھپا لیا، لیکن یہ داستان تاریخ کے اوراق پر زندہ رہے گی ۔‘‘

نوید صاحب نے کہانی ختم کی تو کلاس میں ہر ایک کے چہرے پر اُداسی چھائی ہوئی تھی ۔

کچھ دیر رک کر نوید صاحب نے دوسرا واقعہ سنانا شروع کیا: ’’اس واقعے سے پہلے گجرات کی ایک معلّمہ جلتی وین میں پھنسے اپنے شاگردوں کو باہر نکالنے کے لیے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر آگ میں بے خطر کود پڑیں ۔ حال آنکہ وہ اپنی جان بچا چکی تھی اور اپنے بھتیجوں کو بھی نکال چکی تھیں ۔ شاگردوں سے بے لوث محبت کا جذبہ دل میں بیدار تھا ۔ انھوں نے چند اور بچوں کی بھی جان بچا لی، لیکن خود کو شعلوں سے نہ بچا سکیں اور اپنی جان دے کر کئی شاگردوں کو بچا لیا ۔‘‘

تربیت

خولہ بنتِ سلیمان

بہت تلاش کرنے کے بعد وہ اس عمارت تک پہنچ گیا، جہاں آج اس کا انٹرویو تھا۔ وہ گھر سے نکلتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اے کاش! آج اللہ میاں مجھے انٹرویو میں کامیاب کردے۔ اگر کامیاب ہوگیا تو فوراً اپنے والدین کے گھر کو چھوڑ کر آفس کے نزدیک ہی کرائے پر رہنے لگوں گا۔ والدین کی روزانہ ڈانٹ پھٹکار سے اور روک ٹوک سے تو جان چھوٹے گی۔ میں تو بیزار ہوگیا ہوں ان باتوں سے۔

صبح غسل خانے جانے لگو تو حکم ہوتا ہے، پہلے بستر کی چادر درست کرو۔ سو کر اُٹھنے کی دعا پڑھو۔ غسل خانے سے نکلو تو حکم ہوگا: ''نل بند کیا؟ غسل خانہ صاف کیا؟ تولیا پھیلایا جگہ پر، یا یونہی پھینک دیا؟''

ناشتا کر کے گھر سے نکلنے کا سوچو تو حکم ہوگا: ''کمرے کا پنکھا اور لائٹ بند کی۔ چپلیں جگہ پر رکھیں۔ نوکری مل جائے تو ان سب باتوں سے نجات بھی مل جائے گی۔''

ایک ہال میں بہت سے اُمیدوار بیٹھے تھے اور بلائے جانے کا انتظار ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا برآمدے کی بتی ابھی تک جل رہی تھی۔ امی کی ہدایت یاد آ گئی۔ تو بتی بجھا دی۔ آفس کے دروازے پر کوئی نہیں تھا۔ برابر میں رکھے ہوئے واٹر کولر سے پانی رس رہا تھا۔ والد صاحب کی ڈانٹ یاد آ گئی، فوراً اسکو بند کر دیا۔

ملازم نے آ کر بتایا انٹرویو دوسری منزل پر ہوگا۔ سیڑھی چڑھتے ہوئے نظر پڑی، سیڑھی کی لائٹ بھی جل رہی تھی جب کہ اچھا خاصا اُجالا تھا، اسے بند کر کے آگے بڑھا تو درمیان میں ایک کرسی بے ترتیب انداز میں رکھی دکھائی دی۔ اسے قرینے سے ایک طرف رکھ کر اوپر گیا تو دیکھا کہ پہلے سے موجود اُمیدوار اندر جاتے ہیں اور فوراً واپس بھی آ جاتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ کہیں یہ انٹرویو خانہ پُری تو نہیں۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ وہ درخواست لے کر کچھ پوچھتے نہیں ہیں واپس بھیج دیتے ہیں۔

اپنا نمبر آنے پر میں نے اپنی اسناد کی فائل منیجر کے سامنے رکھ دی۔ تمام کاغذات دیکھ کر منیجر صاحب نے پوچھا، کب سے جوائن کر رہے ہو؟

ان کے سوال پر مجھے یوں لگا جیسے میرے ساتھ کوئی مذاق کیا جا رہا ہے۔

منیجر نے محسوس کر لیا اور کہا: ''یہ اپریل فول نہیں، حقیقت ہے۔''

پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''آج کے انٹرویو میں ہم نے کسی سے کچھ پوچھا ہی نہیں ہے۔صرف CCTV کیمرے میں سب کے ساتھ تمھارا برتاؤ بھی دیکھا ہے۔سبھی اُمیدوار آئے، مگر نہ کسی نے لائٹ بند کی نہ نل بند کیا، نہ کرسی راستے سے ہٹائی۔ مبارک باد کے مستحق ہیں تمھارے والدین، جنھوں نے تمھیں تمیز اور تہذیب سکھائی ہے۔جس کا طور طریقہ مہذب نہیں وہ چاہے جتنا ہوشیار اور چالاک ہو، نظم وضبط کے بغیر وہ زندگی کی دوڑ میں پوری طرح کام یاب نہیں ہوسکتا۔''

ملازت حاصل کرنے کے بعد میں اپنے آپ سے شرمندہ اور اپنے والدین پر فخر کر رہا تھا، جنھوں نے زندگی کے ہر مرحلے پر میری رہنمائی کر کے آج مجھے سرخ رو کر دیا تھا۔ میں نے پوری طرح طے کر لیا تھا کہ گھر پہنچتے ہی اپنی امی ابو سے معافی مانگ کر انھیں بتاؤں گا کہ آج اپنی زندگی کے پہلے امتحان میں ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر روکنے، ٹوکنے اور تربیت کی وجہ سے کام یاب ہوا ہوں۔آج مجھے جو عزت ملی، اس کے مقابلے میں میری ڈگری کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یعنی صرف تعلیم ہی نہیں تہذیب کا بھی اپنا مقام ہے۔

Press ad

صحرائے تھر

محمد فرحان اشرف

صحرائے تھر دنیا کا نواں بڑا گرم ترین صحرا ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱۰۰,۰۰۰ مربع میل (۱۶۰,۰۰۰ مربع کلومیٹر) ہے۔ صحرائے تھر پاکستان کی جنوب مشرق اور بھارت کی شمال مغربی سرحد پر واقع ہے۔ اس صحرا کی ۳۵۰ کلومیٹر طویل سرحد بھارت سے ملتی ہے۔ تھر میں مسلمان اور ہندو رہائش پذیر ہیں۔ پاکستانی تھر میں آباد غیر مسلموں کولھی، بھیل میگواڑ، ہندو بنیے، جوگی آباد ہیں۔ جب کہ مسلمانوں میں راجماں، سمیچا، نوھڑی اور منگریا آباد ہیں۔ بھارت کی ریاست راجھستان کی ۴۰ فیصد آبادی بھارتی تھر میں رہائش پذیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہزاروں برس قبل تھر کا

علاقہ سمندر کا حصہ تھا۔ موسمی تبدیلیوں کے باعث سمندر پیچھے ہٹتا گیا اور بارش کی کمی اور دیگر اسباب نے مل کر اسے ایک بے آب و گیاہ صحرا میں بدل دیا۔

اس صحرا میں تاریخی مساجد، مندر، گرینائٹ کے پہاڑ، نمک کی جھیلیں اور زیرِ زمین کوئلے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ نباتات اور حیوانات سے مزین یہ خطہ اپنی خوب صورتی میں منفرد ہے۔ یہ صحرا ''عظیم ہندستانی صحرا'' بھی کہلاتا ہے۔ اسلام کوٹ کے نزدیک کوئلے کے بڑے ذخائر ہمیں تحقیق کی دعوت دے رہے ہیں۔ کراچی سے کم و بیش چار سو کلو میٹر کی مسافت پر یہ صحرا ہے۔ تھرپارکر دو لفظوں کا مجموعہ ہے، تھر اور پارکر۔ پاکستان بننے سے قبل تھرپارکر صوبہ سندھ کا سب سے بڑا ضلع تھا، جس کا دارلحکومت میر پور خاص تھا۔ جسے تقسیم کر کے چار اضلاع میر پور خاص، سانگھڑ، تھرپارکر اور عمر کوٹ بنا دیئے گئے۔

تھر میں ننگر پارکر، مٹھی، اسلام کوٹ، چھاچھرو، کانٹیو، چیلہار، کھینسر اور ڈیپلو کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ مٹھی اس کا ضلعی ہیڈ کوارٹر ہے۔ ماروی کے دیس میں ۱۶ لاکھ سے زائد افراد بستے ہیں۔ مقامی آبادی جھونپڑیوں میں رہتی ہے جسے چونرا کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ تھر میں گول جھونپڑی کو چونرا اور کمرے یا برآمدے کی شکل والی جھونپڑی کو لانڈھی کہا جاتا ہے۔ تھر کے مسلمان اور ہندوؤں کی جھونپڑیاں عموماً مختلف ہوتی ہیں، مگر ایسا ضروری بھی نہیں۔ مسلمان اپنے چونرے کی چھت گنبد کی طرح گول بناتے ہیں جب کہ ہندو کے چونروں کی چھت پنسل کی نوک کی مانند ہوتی ہے۔ یہ چونرا گندم کے بھوسے یا روئی ملے کیچڑ (گارے) سے تعمیر کیا جاتا ہے۔ گول دیوار کے اوپر لکڑی سے بنا فریم رکھا جاتا ہے۔ جس میں صحرائی گھاس شامل ہوتی ہے اور اس کی شکل چھتری کی طرح ہوتی ہے۔ یہ طرزِ تعمیر افریقا میں موجود گول کمروں سے مماثلت رکھتا ہے۔ اکثر گاؤں دس بارہ چونروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آبادی ایسے مقام پر ہوتی ہے جہاں دو ریت کے بڑے ٹیلوں کے مابین پانی جمع ہو سکے جسے مقامی زبان میں ''بھٹ'' کہا جاتا ہے۔

بھٹ کے معنی ہیں ''ٹیلہ''۔ پانی کے قدرتی تالاب کو ''ترائی'' کہا جاتا ہے۔

تھر کے موسموں میں ''چوماسہ'' کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ یہ موسم چار مہینے رہتا ہے۔اس دوران برسات میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔اس موسم کی خنک ہوائیں انسانی وجود پر رومانوی سحر طاری کر دیتی ہیں۔ یہاں کی زراعت میں کالاتل، سفید تل، گوارا، جوار، ٹماٹر، تربوز، تھری خربوزہ اور چبڑی کی کاشت بھی ہوتی ہے۔اس کے علاقہ ڈیپلو میں بغیر کھاد کے بھی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔لوبان اور چندن کے درخت بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔مور، تلور، تیتر، بھٹ تیتر اور ہرن جیسے خوب صورت جانور تھر کی جنگلی حیات کا حصہ ہیں۔ پانی کی کمی اور غیر قانونی شکار کی وجہ سے یہ روز بہ روز ناپید ہوتے جارہے ہیں۔

صحرائے تھر میں سواری کے لیے اونٹ یا پھر جنگِ عظیم دوم کے ٹرک استعمال ہوتے ہیں، جنھیں ''کیکڑا'' کہا جاتا ہے۔البتہ اب کئی علاقوں میں سڑکیں بن جانے کی وجہ سے جدید ٹرانسپورٹ بھی آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے، مگر ایسے علاقے محدود ہیں۔ میرپور اور مٹھی کی رابطہ سڑک کی تعمیر ہو چکی ہے۔ ضلع تھر کو عمر کوٹ اور بدین سے بذریعہ سڑک ملا دیا گیا ہے۔فراہمیٔ آب کے بہت سے منصوبے بھی مکمل ہو چکے ہیں۔

صحرائے تھر میں زہریلے سانپوں کی کثرت ہے۔ مرکزِ صحت صرف قصبوں نما شہروں میں واقع ہیں اور وہاں بھی سانپ کاٹے کی ویکسین کی عدم دستیابی کی شکایت رہتی ہے۔ننگر پارکر کا علاقہ عمرکوٹ سے کم و بیش ۲۰۰ کلومیٹر کی مسافت پر رن کچھ اور تھر کے سنگم پر بھارتی سرحد کے نزدیک واقع ہے۔ننگر پارکر سے قبل ایک چھوٹا سا گاؤں بھالو ہے، جو سندھ کی معروف لوک داستان عمر ماروی کی ہیروئن کا گاؤں تھا۔ بھالو کے بعد بوڈیسر کا علاقہ ہے، جہاں بارانی جھیل کے قریب اکثر مور محورقص ہو کر جنگل میں منگل کا سماں باندھ دیتے ہیں۔تھر موسم برسات میں نہایت حسین ہو جاتا ہے۔

لنچ بکس

جاپانی کباب

آلو : آدھا کلو / پیاز درمیانی : دو عدد / ڈبل روٹی کا چورا : ایک کپ

انڈا : ایک عدد / آٹا : حسبِ ضرورت / تیل تلنے کے لیے

نمک اور کالی مرچ : حسبِ ذائقہ / پانی : ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب : آلو چھیل کر تقریباً تین سینٹی میٹر کے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ ہلکی آنچ پر پندرہ سے بیس منٹ اُبالیں تاکہ نرم ہو جائیں۔ پیاز کتر کر تیل میں ہلکا رنگ ہونے تک تل لیں۔ اب اس میں نمک اور کالی مرچ شامل کر دیں۔ اُبلے ہوئے آلوؤں میں سے پانی نکال کر اچھی طرح مسل لیں۔ اس میں نمک، کالی مرچ اور تلی ہوئی پیاز ملا دیں۔ جب یہ آمیزہ کچھ گرم ہو تو اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر لیں۔ اب انھیں ایک سینٹی میٹر موٹے، چپٹے کبابوں کی شکل دے لیں۔ اب ان کبابوں پر پہلے آٹا چھڑک دیں، اس کے بعد انڈے میں تھوڑا سا پانی ملا کر آمیزہ بنائیں اور کبابوں پر لگائیں۔ اب ان کبابوں پر ڈبل روٹی کا چورا اچھی طرح لگا کر تیل میں تل لیں۔

(حرا وقاص، کراچی)

جنگل والا جن

عائشہ مجیب

کسی جنگل میں ایک شریر اور بدمزاج جن رہتا تھا۔ نہ جانے کہاں سے آیا تھا اور آکر اس جنگل میں ٹھہر گیا تھا۔ یہاں اس نے پہلے اپنے لیے گھر بنایا پھر آہستہ آہستہ پورے جنگل پر قبضہ کر کے پورے جنگل کو اپنی طرح خطرناک اور وحشت زدہ بنا دیا۔ اب یہ جنگل دور دور تک بدروحوں کے جنگل کے نام سے مشہور تھا۔ حالانکہ یہ جنگل بدروحوں سے بالکل پاک تھا۔ جن نے صرف دہشت

کے لیے خوف و ہراس پھیلایا ہوا تھا۔ اس نے جنگل میں کسی کو نہ رہنے دیا۔ اسے روشنی سے نفرت تھی جب کہ اندھیرا بہت پسند تھا۔ وہ سارا دن سوتا اور رات ہوتے ہی گھومنے پھرنے کے لیے نکل جاتا۔ وہ انسانوں سے نفرت کرتا تھا، کیوں کہ انسان ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، چوری چکاری، قتل اور جھوٹ جیسے بڑے گناہوں میں ملوث ہیں، اس لیے وہ انسانوں سے بہت بیزار تھا۔

اس گاؤں کے غریب لوگ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے۔ جنگل کے پاس سے ایک سڑک ایک چھوٹے سے گاؤں کو جاتی تھی۔ یہ تمام لوگ اسی سڑک سے گزر کر شہر جاتے تھے۔ دن میں تو لوگ سکون سے اس سڑک پر سفر کر لیتے، مگر رات کو جن انھیں طرح طرح کی آوازیں پیدا کر کے، روشنی جلا کر، درختوں کو زور زور سے ہلا کر، پتھر برسا کر، لوگوں کو ڈراتا۔ مسافروں کو خوف زدہ کرنا اس کا من پسند کام تھا۔ جن ہونے کی وجہ سے وہ غائب بھی ہو جاتا، شکلیں بدل لیتا اور طرح طرح کی آوازیں نکال لیتا۔ جن کو یہ سب کر کے بہت لطف حاصل ہوتا اور اس کی تشفی ہو جاتی۔

اس جن کی وجہ سے لوگوں نے رات کو سفر کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ جن ایک دن سڑک کے کنارے اُداس بیٹھا تھا۔ وہ خود کو بہت اکیلا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کسی راہ گیر کی تلاش میں تھا کہ کوئی شرارت کرے تاکہ بوریت دور ہو۔ لہٰذا وہ کافی دیر دماغ لڑانے کے بعد ایک نتیجے پر پہنچا۔ اب وہ بوڑھے شخص کا روپ دھار کر بستی میں داخل ہوگا اور وہیں ایک مکان کرائے پر لے کر رہے گا، اس طرح وہ بوریت سے بچ جائے گا اور انسانوں کو ڈرانے میں بھی آسانی رہے گی۔

اگلے ہی دن وہ بوڑھے شخص کا روپ دھار کر بستی میں کرائے کا مکان ڈھونڈ کر رہنے لگا۔ جن جس مکان میں ٹھہرا تھا، وہاں آس پڑوس سب غریب لوگ رہتے تھے، جو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنا

گزر بسر کرتے۔ جن نے کچھ دن خاموش رہ کر سب کے روزمرہ کا جائزہ لیا۔ اب وہ پڑوس کے بچوں کو ڈرانے کے مواقع تلاش کر رہا تھا۔ ایک دن ایک بچہ گھر پر اکیلا تھا۔ جن نے پہلے بلی کا روپ دھارا اور گھر میں داخل ہوگیا۔ وہاں جا کر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ بچے نے جب یہ منظر دیکھا تو چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ ''ڈرپورک انسان'' کہہ کر جن بہت ہنسا۔

بچے کے رونے کی آواز سے بستی والے وہاں اکھٹے ہوگئے۔ بہرحال جن کو بلی بن کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اسی طرح وہ اکثر لوگوں کو ڈراتا اور دل ہی دل میں مذاق اُڑاتا اور خوش ہوتا رہتا۔

ایک دن جن بیمار پڑ گیا۔ وہ بوڑھے شخص کی حالت میں تھا، اس لیے اسے کچھ زیادہ ہی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ بیماری اور نقاہت کی وجہ سے اس کی جادوئی طاقتیں کم ہوتی چلی گئیں۔ اب وہ ہر روز کوشش کرتا کہ جادو کے زور سے وہ دوبارہ جن کی شکل اختیار کر جائے، تاکہ وہ اپنی مرضی سے اُڑ کر جنوں کے ڈاکٹر کے پاس جا سکے، مگر یہ سب کرنے میں اسے مشکل پیش آ رہی تھی۔ وہ کئی روز بیمار پڑا رہا۔ ایک روز پڑوسیوں کو اس کی بیماری کی خبر ہوئی۔ پڑوسی اس کی عیادت کے لیے آئے۔ جن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جس بچے کو اس نے بُری طرح ڈرایا تھا، وہ بچہ بھی اس کی تیمارداری کر رہا تھا۔ اب گاؤں والے اس کے گھر آتے اس کے گھر کی صفائی کرتے۔ اس کے لیے کھانا پکاتے، اس کی دیکھ بھال کرتے، دوا کھلاتے اور اپنے گھر چلے جاتے۔ جن کئی دن تک خاموشی سے یہ سب دیکھتا رہا۔ آخر وہ تن درست ہوگیا، اس بار جن کے دل و دماغ میں شرارت نہیں، بلکہ ندامت اور شرمندگی کا احساس تھا۔ کتنے عرصے سے اس نے گاؤں والوں کا جینا محال کر رکھا تھا، ان کو تکلیف پہنچا رہا تھا، ان کی قیمتی چیزیں برباد کر رہا تھا، ان کے بچوں کو ڈرا رہا تھا، مگر اب جب وہ انسان کا روپ دھار کر انسانوں میں رہ رہا تھا تو اس نے محسوس کیا تھا کہ جنھیں وہ اذیت پہنچا کر خوش ہوتا ہے وہ تو بہت بے ضرر سے لوگ ہیں۔ غریب اور مسکین ہیں۔ اتنی غربت

میں بھی ان لوگوں نے اس کا بہت خیال رکھا۔ اسے روٹی کھلائی، اس کا سر دبایا، اس کے کپڑے دھوئے، اس کے گھر کی صفائی کی، اس کا بھر پور ساتھ دیا۔ جن اب بالکل صحت یاب ہو چکا تھا۔ اس رات وہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ انسانوں کے متعلق اس نے جو کچھ سن رکھا ہے، وہ یقیناً غلط ہے۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس اپنی برادری میں چلا جائے گا اور آئندہ کبھی کسی کو تنگ نہیں کرے گا، مگر جانے سے پہلے وہ اپنی اصلیت گاؤں والوں کو ضرور بتائے گا۔ دل میں تہیہ کر کے جن سو گیا۔ صبح اُٹھا تو اپنا سامان سمیٹ کر باہر نکل آیا۔ گاؤں والوں کو اِکھٹا کیا اور ان سے کہا: ''گاؤں والو! قریبی جنگل جو بدروحوں کے نام سے مشہور ہے وہاں کوئی بدروح نہیں، بلکہ وہاں ایک جن رہا کرتا تھا جو سب کو ڈراتا، مسافروں کو تنگ کرتا اور ان کی چیزیں اِدھر سے اُدھر کر دیتا تھا۔''

گاؤں والے حیران ہونے لگے۔ ایک بوڑھے شخص نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا: ''تمھارے پاس کیا ثبوت ہے اس بات کا؟''

''ثبوت یہ ہے کہ وہ بھوت اس وقت آپ سب کے سامنے ہے۔'' جن یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔ سب لوگ حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ عورتیں اور بچے ایک کونے میں سہمے ہوئے کھڑے یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ جن نے پھر کہا: ''جی ہاں ...... میں ہی وہ جن ہوں۔ اس گاؤں میں اس نیت سے آیا تھا کہ آپ سب کا جینا محال کر دوں گا، مگر یہاں انسان کا روپ دھار کر میں حقیقت جان گیا۔ جب میں بیمار پڑا تو نقاہت کے باعث میری طاقتیں کم ہوگئیں۔ جس وجہ سے مجھے کئی دن انسان کا روپ دھارے ہی رہنا پڑا، مگر اس دوران آپ سب نے جتنی میری خدمت کی ہے میں اس سے بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ آپ سب انسان بہت اچھے ہیں۔ مجھے یقینی طور پر معاف کر دیں گے۔ میں آپ سب سے ہاتھ جوڑ کر

معافی مانگتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی دوبارہ یہاں آ کر کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ میں جا رہا ہوں آپ کے گاؤں سے اور اس جنگل سے بھی۔'' جن نے یہ کہہ کر سامان اُٹھایا اور چل پڑا۔

''رک جاؤ، تم ایسے نہیں جا سکتے۔'' گاؤں والے آگے بڑھے۔ ایک پَل کو بھوت ڈر گیا کہ شاید اب یہ سب مل کر مجھ پر حملہ کر دیں گے، مگر ایسا نہ ہوا۔ گاؤں کے لوگ جن کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ہمیں خوشی ہے کہ تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ تمھاری خدمت اس لیے کی کہ اللہ نے ہمیں دوسروں کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ہمارا فرض تھا اور رہی بات تمھیں معاف کرنے کی تو انسان اشرف المخلوقات ہے، معاف نہ کر کے ہم چھوٹا نہیں ہونا چاہتے اور خدا کے بندے ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم تمھیں معاف کر دیں۔ اب اگر تم چاہو تو اسی گھر میں ہم سب کے ساتھ رہ سکتے ہو۔'' گاؤں والوں کی بات سن کر جن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ سب کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گیا۔

اب جن گاؤں والوں کی مدد کرتا، کوئی مصیبت میں گرفتار ہوتا تو اس کی مدد کو پہنچ جاتا۔ کوئی بھوکا ہوتا تو اسے روٹی لا دیتا۔ کوئی بیمار ہوتا تو اس کی خدمت کرتا۔ کوئی پریشان ہوتا تو اس کی پریشانی دور کر دیتا۔ جن کے اس رویے سے سب خوش تھے۔ جن بھی اب انسانوں میں بہت خوش رہنے لگا تھا۔ اب سب انسان اس کے دوست تھے۔

نونہال مشاعرہ

موضوع: ''روشنی''

''روشنی'' کے موضوع پر ملنے والے اشعار سے اندازہ ہوا کہ ہمارے نونہال کتنا اچھا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ اس موضوع پر زیادہ اشعار موصول ہوئے، اس لیے آیندہ ماہ بھی یہی موضوع برقرار رہے گا، البتہ جنوری کے لیے نیا موضوع ہوگا ''یاد''۔

(ادارہ)

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی ، جگنو کو روشنی دی
شاعر: علامہ اقبال (خنسہ محمد عقیل شاہ، کراچی)

وہ، جس کی روشنی کچے گھروں تک بھی پہنچتی ہے
نہ وہ سورج نکلتا ہے، نہ اپنے دن بدلتے ہیں
شاعر: حبیب جالب (حمنہ محمد عقیل شاہ، کراچی)

روشنی مجھ سے گریزاں ہے تو شکوہ بھی نہیں
میرے غم خانے میں کچھ ایسا اندھیرا بھی نہیں
شاعر: اقبال عظیم (محمد حبیب عباسی، سکھر)

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے دل جلا کے سرِ عام رکھ دیا
شاعر: قتیل شفائی (سیدہ عائشہ، حیدر آباد، مشعل فاطمہ، قائم خانی، ٹنڈو الہیار)

لوگوں کو روشنی میرے کام سے ملی مگر
میں اپنی ذات کے لیے بے نور ہوگیا
شاعر: اطہر نفیس (ماہ رُخ، حیدر آباد)

چراغوں کے بدلے مکان جل رہے ہیں
نیا ہے زمانہ ، نئی روشنی ہے
شاعر: خمار بارہ بنکوی (محمد مصطفیٰ، حیدر آباد)

نہ روشنی ہے یہاں ، نہ روشن دماغ کوئی
بڑا اندھیرا ہے اب جلاؤ چراغ کوئی
شاعر: افضل گوہر راؤ (جویریہ اریکا مصطفیٰ، کراچی)

شہر ظلمت پسندوں کے نرغے میں ہے
کس سے ہم روشنی کی سفارش کریں
شاعر: محمد صدیق عالم (طٰہٰ یاسین، حیدر آباد)

قدیم ہندوستان کا یہ حکمراں کون ہے؟

نام بوجھیے

سلیم فرخی

بچو! مجھے اپنی تاریخ پیدائش تو یاد نہیں، لیکن سنہ یاد ہے۔ میں ۳۰۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی آج سے دو ہزار تین سو تئیس سال پہلے۔ میں ہندوستان کے جس حکمراں خاندان میں پیدا ہوا، اس کی بنیاد میرے دادا نے رکھی تھی۔ دادا کے بعد میرے والد نے ۳۲ سال حکومت کی۔ میرے والد کی سولہ بیویاں تھیں اور ایک سو ایک بچے تھے۔ میرا سگا بھائی صرف ایک ہی تھا، جس کا نام تسیا تھا۔ میری والدہ کا نام ''دھرما'' تھا۔ والدہ کو دستِ شناس نجومیوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ بڑا بیٹا حکمران ہوگا اور دوسرا بیٹا راہب بنے گا۔ میں نے بہت جلد مروجہ علوم حاصل کر لیے۔ فنون سپہ گری میں بھی ماہر ہوگیا۔ جلد ہی صوبے داری اور والد کی نیابت کرنے کے قابل ہوگیا۔ ۲۷۴ قبل مسیح میں جب والد کا انتقال ہوا تو میری عمر ۳۰ سال تھی۔ میرا سوتیلا بڑا بھائی سومن ''سواس'' کا صوبے دار تھا، جس کا صدر مقام تکشلا تھا۔ میں ''اونتی'' کے علاقے کا صوبے دار تھا، جس کا دارالحکومت اجین تھا۔ میں والد کے انتقال سے کچھ پہلے ہی ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سومن اپنے صوبے کے مسائل میں اُلجھا ہوا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد ان کے وزیروں اور امرا کے مشورے اور حمایت سے میں نے تاج سر پر رکھ کر نظامِ حکومت سنبھال لیا۔

بعض مورخوں نے میرے بارے میں من گھڑت بات پھیلا دی کہ میں نے اپنے سگے بھائی کے علاوہ ننانوے بہن بھائیوں کو قتل کروا دیا تھا۔ میں سخت مزاج ضرور تھا، لیکن اس قدر ظالم نہیں تھا۔ میرے کئی بھائی پاٹلی پتر (پٹنہ) سمیت مختلف صوبوں کے حاکم تھے۔ ہاں البتہ اقتدار کے لیے

پانی نعمت ہے
نعمت کی قدر کیجیے

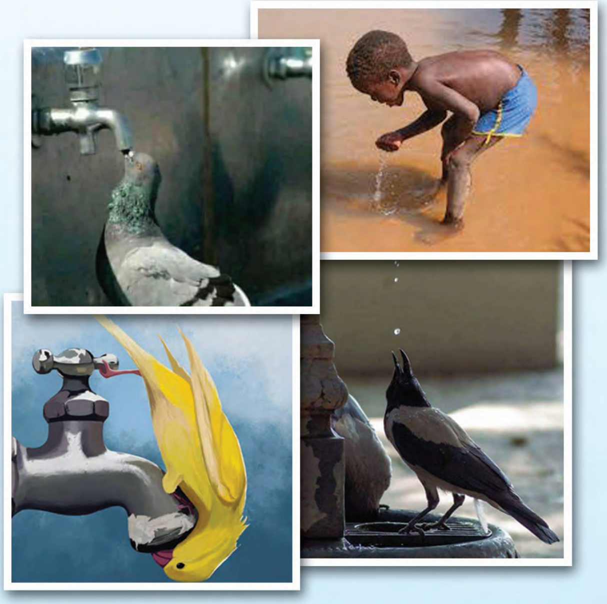

پانی زندگی ہے ... زندگی کو اہم جانیے

پانی ضائع نہ کیجیے

پانی کے حصول، حفاظت اور ذخائر کو اپنی قومی سوچ کا حصہ بنایئے

بڑے بھائی سومن سے میری با قاعدہ جنگ ہوئی تھی جو چار سال تک جاری رہی۔ جنگ کے دوران ہی سومن مارا گیا۔

۲۷۰ قبل مسیح ۳۴ سال کی عمر میں میری با قاعدہ تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی اور دیونام پیا (دیوتاؤں کا پیارا) اور پریادرشن (نیک دل) کا لقب اختیار کیا۔ اپنے چھوٹے بھائی تسیا کو اپنا نائب بنالیا۔

ایک دن تسیا جنگل میں شکار کے لیے پھر رہا تھا کہ ایک جگہ درخت کے نیچے گناہوں کے بوجھ سے آزاد ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک ہاتھی درخت کی شاخ سے اسے پنکھا جھل رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر شہزادے تسیا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی اس نیک راہب جیسا ہو جاؤں اور یہیں جنگل میں بسیرا کروں۔ اس رشی نے شہزادے کو مزید متاثر کرنے کے لیے ہوا میں پرواز شروع کردی۔ شہزادہ اس کرشمے سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے فوراً راہب بننے کا فیصلہ کرلیا۔ محل پہنچ کر مجھ سے اجازت لی۔ میں نیکی کے اس راستے میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتا تھا، اس لیے خود اسے لے کر خانقاہ پہنچا اور داخل کرادیا۔ اس طرح نجومی کی پیشن گوئی پوری ہوگئی۔

بھائی کی جگہ رادھا گپت نامی ایک شخص کو وزیر بنالیا جس نے میری تخت پوشی میں میری مدد کی تھی۔

اپنے اقتدار کے آٹھویں برس ہندستان کی مشرقی حصے کی ریاست کالنگا (اڑیسہ) کو گھمسان کی جنگ کے بعد فتح کیا۔ اس جنگ میں ڈیڑھ لاکھ آدمی مارے گئے اور اس سے زیادہ زخمی اور اپاہج ہوئے یہ دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ پشیمانی کے عالم میں میں نے فیصلہ کیا کہ اب کوئی فوجی کارروائی نہیں کروں گا، بلکہ کسی طرح کا کوئی جارحانہ کام نہیں کروں گا۔ گویا میری کایا پلٹ ہوگئی۔ میں سوچتا تھا کہ جنگ میں نیک اور معصوم لوگ بھی مارے جاتے ہیں، زخمی ہوتے ہیں اور قید کی تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ قیدی اپنے عزیزوں، ساتھیوں، دوستوں سے بچھڑ جاتے ہیں۔ میں نے نہ صرف خوں ریزی ترک کردی، بلکہ جانوروں تک کو ہلاک کرنے اور شکار کرنے پر پابندی لگادی۔

ایک دن ایک نوعمر راہب بچہ محل کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ وہ مجھے بہت پیارا اور مقدس لگا۔ میرا دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔ میں نے اسے پاس بلایا اور اپنی گدی پر بٹھادیا۔ پھر اس سے بدھ مت کے عقائد اور رسومات کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ بدھ مت اخلاقی اُصولوں پر مبنی ہے

یعنی کسی جان دار کو نہ مارنا، چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، نشہ آور چیزوں سے بچنا، نیکی کے راستے پر چلنا وغیرہ اس کے علاوہ اسلحہ سازی، غلاموں کی خرید وفروخت اور جانوروں کا گوشت بیچنے پر پابندی ہے۔ اور بھی بہت باتیں کیں۔ میں نے اسی وقت بودھ مت اختیار کرلیا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ ننھا راہب میرے بھائی سومن کا لڑکا نگرودھ تھا یعنی میرا بھتیجا تھا۔ میں پہلے ہی فرشتوں اور قیامت کے بعد کی زندگی کا قائل تھا، جس کا ذکر میں نے اپنے سنگی کتبوں میں بھی کیا ہے۔

میں ہندوستان کا وہ پہلا حکمران تھا جس نے بودھ مت کو سرکاری مذہب قرار دیا اور بودھ مت کی تبلیغ کے لیے نیپال، تبت، سری لنکا، افغانستان، ترکستان، ایران، شام، مصر، یونان، برما اور چین وغیرہ میں سرکاری مبلغین روانہ کیے۔ ہندوستان کے قدیم حکمرانوں میں مجھے سب سے نمایاں مقام میرے فرامین اور کتبات کی وجہ سے حاصل ہے۔ یہ فرامین میں کچھ چٹانوں پر، کچھ غاروں میں اور زیادہ تر سنگی ستونوں (لاٹھوں) پر کندہ کرائے گئے تھے، پھر ان ستونوں کو عوامی اجتماع کے مقامات پر نصب کرادیا تھا۔ برصغیر میں ۳۶ فرامین دریافت ہوئے ہیں جن میں سے تین پاکستان میں پشاور کے قریب شہباز گڑھی اور مانسہرہ میں دریافت ہوئے۔ ان لاٹھوں کے سرے پر میں نے ہاتھی، شیر، گھوڑے، سانڈ کی شکل کندہ کرائی تھی جو بودھ مت کے علامتی نشان ہیں۔

میں نے خود تو دنیا ترک نہیں کی، لیکن میرا ایک بیٹا مہندر سنگھ اور بڑی بیٹی سنگھومترا رہبانیت کی طرف راغب ہوگئے۔ میں نے خوش دلی سے ان کو اجازت دے دی اور دونوں تبلیغ کے لیے سری لنکا روانہ ہوگئے۔

میں نے اپنی لاٹھوں میں چند اخلاقی اُصولوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ماں، باپ، اُستادوں اور بزرگوں کی اطاعت، عزیزوں، ملازموں، غریبوں اور ضعیفوں سے اچھا سلوک کرنا اور سخاوت کرنا۔ نیک زندگی گزارنا، رواداری، رحم دلی، سچائی، سخاوت، دل کی صفائی، احسان مندی، ظاہر و باطن کی پاکیزگی، آمدوخرچ میں اعتدال پر قائم رہنا۔ جانوروں کو ذبح نہ کرنا وغیرہ۔ ہندوستان میں سبزی خوری کی ابتدا میرے ہی عہد سے ہوئی۔ میں نے فضول قسم کی رسموں پر پابندی لگادی تھی۔ میرے زمانے میں گھر لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ میں نے سنگی عمارتیں بنوانے کا

آغاز کیا۔ جب کہ میری لاٹھوں کی لمبائی بھی چالیس، پچاس فیٹ بلند تھی۔ ان لاٹھوں کو پہاڑ سے نکالنا اور انھیں تراشنا ماہر سنگ تراشوں کا کام تھا۔

میری سلطنت بہت وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ حکومت کا نظام دادا اور والد کے عہد جیسا تھا، میں نے اس میں مذہبی اُصولوں کا اضافہ کردیا تھا۔ یہاں تک کہ علاقائی عہدے دار، حاکم سے زیادہ مبلغ کے فرائض انجام دینے لگے۔ حکومت مختلف صوبوں پر مشتمل تھی، جس میں چار بڑے صوبے تھے۔ ان کے صوبے دار میرے بیٹے تھے۔ صوبے دار کا مقرر میں خود کرتا، پھر ہر صوبے دار اپنا عملہ خود بھرتی کرتا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ صوبے دار مکمل طور پر بااختیار ہے۔ ان پر بھی ایسے افسر متعین تھے، جو ان پر نگاہ رکھتے تھے۔ ان افسروں کی نگرانی میں صوبے کے مختلف محکمے ہوا کرتے تھے۔ صوبے داران کے مشورے پر عمل کیا کرتے تھے۔ ان افسروں کو مہاماتر (افسرِ اعلا) کہا جاتا تھا۔ ان مہاماتروں کے احکام نافذ کرنے اور ان کے کاموں کی نگرانی کے لیے ایک مجلسِ وزراء بھی تھی، جسے پریشاد کہتے تھے۔ پریشاد کے ذمے داری تھی کہ سلطنت کی بہبود کے لیے نئی نئی اسکیمیں سوچے اور شاہی احکام کی سختی سے پابندی کرائے اور ماتحت حکام کو ہدایات دے۔ میرے کسی زبانی حکم پر پریشاد (مجلسِ وزراء) کو اختلاف کرنے کا پورا حق تھا۔ اس صورت میں مسئلہ میرے روبرو لایا جاتا اور میرا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔

میں حکمراں کی حیثیت سے اپنی ذمے داری محسوس کرتا تھا۔ رعایا کو اپنے بچوں کی طرح شفقت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ جس طرح میں اپنے بچوں کے لیے چاہتا تھا کہ دنیا اور آخرت میں خوشی اور راحت نصیب ہو، اسی طرح تمام رعایا کی بھلائی کے لیے اقدامات کرتا تھا، کیوں کہ سب انسان میرے بچے تھے۔ میں نے مہاماتروں کو خاص ہدایت کی تھی کہ رعایا میں سے کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے۔

میں نے جگہ جگہ اسپتال تعمیر کیے، جانوروں کے لیے اصطبل بنوائے، سڑکیں بنوائیں، آب پاشی کے نظام کو بہتر بنایا۔ غرض میرا دور امن، خوش حالی اور ترقی کا دور تھا۔ ۴۷ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۷ سال کی عمر میں میرا انتقال ہوگیا۔

شمارہ ستمبر ۲۰۱۹ء میں جن صاحب سے آپ کی ملاقات کرائی گئی تھی، اپنی خوش مزاجی، حاضر جوابی اور بے ساختگی کی وجہ سے وہ دنیا بھر میں مشہور ومعروف ہیں، یعنی ملا نصر الدین حوجہ۔ بعض نونہالوں نے غلطی سے نصیر الدین لکھ دیا ہے، اسے بھی درست مانا ہے۔ اس مرتبہ سے ہم قرعہ اندازی کے ذریعے تین نام نکالیں گے جنھیں انعام کے طور پر ایک کتاب ارسال کی جائے گی۔ اس بار درجِ ذیل نونہالوں کی قرعہ اندازی میں نکلے ہیں:

۱۔ سیدہ ناہید نرگس، کراچی ۲۔ تسبیحہ شکیل احمد، سانگھڑ ۳۔ محمد حسیب، پرانا سکھر

درست نام بوجھنے والے مزید نونہال یہ ہیں:

☆ کراچی: محمد احمد اسلم، فاطمہ توقیر، آمنہ بختاور، زاہرہ سلطانہ، زینب سلیم، عافیہ فاطمہ، سیدہ رومیشہ طارق، محمد طیب صدیقی، وردہ مصطفیٰ، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، رابعہ شرف الدین، رقیہ محمد عقیل شاہ، محمد سفیان عقیل، حافظہ حور لائبہ خداداد، عبیرہ صابر، احتشام الدین، حافظہ عروبہ مرسلین، سیدہ عبیرہ، علینا اختر، عبدالرحمٰن عارف، رداحمید، حسان خالد، امیمہ ریان طارق، ابیہا آصف۔

☆ کوٹ ادو: سارہ عزیز، عبیرہ ملک ☆ مظفر گڑھ: احمد خان لغاری ☆ پرانا نواب شاہ: ثانی زہرا ☆ صادق آباد: تماضر ساجد ☆ ڈیرولال: تیمور جان بھلم پٹھان، فاروق جان بھلم پٹھان ☆ ٹنڈو الہیار: آمنہ آصف کھتری، مشعل قائم خانی ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ میر پور خاص: محمد بلال، محمد جیلان رضا ☆ قصور: فروا ظہیر ☆ راولپنڈی: محمد سلمان بٹ، محمد عمار، شاز ر احمد، ملک محمد احسن، فروا فرحت نعیم ☆ لاہور: عروبہ زاہد، عکرمہ ضیا ☆ حیدر آباد: نور فاطمہ، محمد یوسف قریشی، عائشہ ایمن عبداللہ۔

اطلاع

شمارہ اگست ۲۰۱۹ء میں دنیا کے پہلے قانون داں بادشاہ حمورابی سے آپ کو ملوایا تھا۔ جس کا اعلان اکتوبر کے شمارے میں نہیں آسکا تھا۔ درجِ ذیل نونہالوں نے اس بادشاہ کو پہچان لیا ہے:

☆ کراچی: حُر بن اشعر، سیدہ ناہید نرگس، حسان خالد، ماریہ مقیم۔

☆ راولپنڈی: محمد عمار ☆ مظفر گڑھ: احمد خان لغاری ☆ لاہور: عکرمہ ضیا۔

☆ لطیف آباد: محمد یوسف قریشی، عائشہ ایمن عبداللہ۔

بلاعنوان انعامی کہانی

ثمینہ پروین

نفسیات کے پروفیسر کاوش چغتائی ایک ماہر ڈاکٹر بھی تھے۔ ان کی اچھی یادداشت کی بہت شہرت تھی۔ ہر چہرہ نام کے ساتھ یاد رکھنے میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کے شاگرد اسی خوبی کی وجہ سے ان سے مرعوب رہتے تھے۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنی اس صلاحیت سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے حکومت سے اجازت لے کر ایک تربیت گاہ قائم کر لی تھی۔ گزشتہ کئی برسوں سے ان کا یہ سلسلہ عمدگی سے چل رہا تھا۔ وہ ہر ہفتے اخبار میں یہ اشتہار ضرور دیا کرتے تھے:

''بھول ایک بیماری ہے۔نام اور چہرے کیسے یاد رکھیں؟ رکھ کر بھولی ہوئی چیزیں کیسے تلاش کریں؟ ان جیسے مسائل کے حل کے لیے پروفیسر کاوش چغتائی سے ملیے اور دو مہینے کا کورس مکمل کر کے اپنی یادداشت کو قابلِ فخر بنائیے۔''

آج چھٹی کا دن تھا۔ پروفیسر صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔اس وقت ان کا ذہن منتشر تھا۔ دروازے کی گھنٹی دو مرتبہ بج چکی تھی۔ تیسری گھنٹی دیر تک بجی تو وہ اپنے خیالات سے چونک کر اُٹھے۔ دروازہ کھولا تو ایک اجنبی پر ان کی نظر پڑی۔انھوں نے عادت کے مطابق اس کا جائزہ لیا۔ بھرا بھرا چہرہ، نیچے کا جبڑا چوڑا، چھوٹی آنکھیں، پتلے ہونٹ، گندمی رنگ۔عمر پچیس تیس سال کے قریب تھی۔ اجنبی کو دیکھتے ہی انھیں یقین ہو گیا کہ اسے کہیں نہ کہیں ضرور دیکھا ہے۔ آج ان کا ذہن کہیں بھٹک رہا تھا،اس لیے فوری اور واضح طور پر کچھ یاد نہ آ سکا۔

''میرا نام حسام خان ہے۔''اجنبی نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔اس کے انداز میں گھبراہٹ تھی۔ یہ نام سن کر پروفیسر صاحب شش و پنج میں پڑ گئے۔ کیا آج ان کی یادداشت ان کو دھوکا دے رہی ہے یا اجنبی نے اپنا نام غلط بتایا ہے۔

اجنبی پھر بولا: ''آج صبح میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔''

''اوہ، ہاں''اجنبی کا بتایا ہوا نام ان کے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ وہ بولے:''اندر آ جاؤ، کیا نام بتایا تم نے؟ حسام خان؟''

''جی ہاں، یہی نام ہے۔'' وہ اندر آ گیا۔ دروازہ بند ہونے کے بعد اس کے چہرے پر اطمینان تھا:''میں نے یادداشت کے سلسلے میں آپ کا اشتہار آج ہی اخبار میں پڑھا تھا، جس میں رکھ کر بھولی ہوئی چیزیں یاد کرنے کا ذکر بھی تھا۔''

پروفیسر صاحب نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہاں میں سر ہلایا۔ دراصل انھیں اجنبی کے چہرے اور نام میں کوئی مطابقت نظر نہیں آ رہی تھی۔ چہرہ اور اس کے ساتھ جڑے نام کو وہ نہیں بھولتے تھے، مگر آج انھیں خود پر

حیرت ہو رہی تھی۔ انھوں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس دوران اجنبی کے چہرے کا وہ رُخ ان کے سامنے آ گیا، جو ان کے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہ چونک گئے۔ ان کی اُلجھن دور ہو گئی تھی۔ دراصل پروفیسر صاحب نے اسے نہیں، بلکہ اخبار میں اس کی تصویر دیکھی تھی، جس کے نیچے اس کا نام لکھا ہوا تھا: ''کامل بخشی۔''

انھوں نے اجنبی پر اپنی دلی کیفیت بالکل ظاہر نہ کی۔ حسام خان بولا: ''بات یہ ہے کہ میں آپ کا کورس مکمل نہ کر سکوں گا۔''

''پھر تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''میں کورس کے صرف اس حصے سے کام لینا چاہتا ہوں جو بھولی ہوئی چیزیں یاد کرنے سے متعلق ہے۔'' اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا: ''دراصل میں اپنی ایک ذاتی چیز کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں، وہی یاد نہیں آ رہی ہے۔''

''میں تمھاری بات نہیں سمجھ سکا۔'' پروفیسر صاحب نے غور سے اس کی طرف دیکھا: ''پوری بات تفصیل سے بتاؤ گے تو شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔''

وہ بولا: '' میری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ ایک ضروری نمبر میرے ذہن سے اُتر گیا ہے۔ آپ یادداشت درست کرنے کا دعوا کرتے ہیں، اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میرا خیال ہے اب آپ سمجھ گئے ہوں گے؟''

اجنبی کے پُراسرار رویے کی وجہ سے پروفیسر صاحب فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اس موقع پر انھیں کیا کرنا چاہیے۔ آخر وہ بولے: ''حسام خان! میں صرف یہ تربیت دیتا ہوں کہ انسان اپنی یادداشت کو کیسے بہتر بنا سکتا ہے اور ایک بات کو دوسری بات کے سہارے کس طرح یاد رکھ سکتا ہے۔''

حسام خان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ پروفیسر صاحب نے اپنی بات آگے بڑھائی: ''اگر پوری بات شروع سے آخر تک تفصیل سے بتاؤ تو ممکن ہے کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔''

وہ کرسی پر آ کر بیٹھ گیا: ''کچھ دن پہلے ریلوے اسٹیشن پر بنے عوامی لاکر میں اپنی کچھ ذاتی چیزیں محفوظ کی تھیں۔ ریلوے کاؤنٹر پر فیس جمع کر کے اپنے نام سے لاکر حاصل کیا تھا۔ یہ جدید قسم کے لاکر ہیں، جن کی چابی نہیں ہوتی، بلکہ اپنی پسند کا کوئی نمبر ڈال کر اسے کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ ان لاکرز کے بارے میں آپ کو بھی ضرور علم ہوگا۔''

پروفیسر صاحب پوری توجہ سے اس کی بات سن رہے تھے: ''ہاں، مجھے معلوم ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے صرف اسی شہر میں یہ لاکرز نصب کیے گئے ہیں۔''

حسام خان نے پھر بولنا شروع کیا: ''ان ہی میں سے ایک لاکر میں میں نے اپنی ایک چیز رکھی تھی۔ میری بدقسمتی کہ لاکر کھولنے کا نمبر بھول گیا اور احتیاط کے طور پر جس کاغذ پر میں نے نمبر لکھا تھا وہ بھی گم ہو گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ وہ منحوس نمبر یاد آ جائے، لیکن یاد نہ آیا۔ اب میں مایوس ہو گیا ہوں۔''

''تو تم نے ریلوے والوں سے کیوں رابطہ نہیں کیا؟ ان کے پاس تو اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوگا۔''

''اسے چھوڑیئے۔ میں کسی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا اور اس کی وجہ بھی میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔'' حسام خان نے غور سے ان کی طرف دیکھا: ''آپ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ وہ نمبر مجھے یاد آ جائے۔ آپ کے پاس کوئی تو ایسا طریقہ ہوگا، جس سے میری مشکل حل ہو جائے۔''

پروفیسر صاحب تذبذب میں تھے کہ لاکر میں کیا ایسی قیمتی چیز ہے جس کے لیے وہ اتنا بے قرار ہے۔ وہ بولے: ''تمھارا معاملہ میرے لیے غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ یادداشت کو بہتر بنانا الگ بات ہے اور کسی چیز کو لاشعور سے شعور میں لانا الگ بات ہے۔''

''آپ میری مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟'' حسام خان بیزار لہجے میں بولا۔

پروفیسر صاحب نے کسی خیال کے تحت کہا: ''کوشش تو کی جا سکتی ہے۔''

حسام خان نرمی سے بولا: ''میں آپ کو پورے کورس کی مکمل فیس ادا کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، کل اسی وقت آ جاؤ۔'' پروفیسر صاحب نے کہا: ''اس دوران میں اس مسئلے پر مزید

غور کرلوں گا۔''

اس کے جانے کے بعد وہ فون کی طرف بڑھ گئے۔

انھوں نے رات بھر میں کئی موٹی موٹی کتابیں دیکھ ڈالیں، مگر ان کی ساری محنت بیکار گئی۔ کوئی ایسا فارمولا انھیں نہیں مل سکا جس سے کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آ سکے۔ اب انھیں اپنے طور پر ہی کوئی ترکیب استعمال کرنی ہوگی۔

دوسرے دن جب حسام خان آیا تو وہ اسے ایک علاحدہ کمرے میں لے گئے اور بولے: ''پہلے ہم وہ ترکیب استعمال کریں گے جسے سلسلہ ملانے کا طریقہ کہتے ہیں۔ ہر بات کا تعلق، اس سے جڑی ہوئی دوسری بات سے ہوتا ہے۔ اگر ہم انھیں ایک دوسرے کے واسطے سے یاد کرنے کی کوشش کریں تو کام یاب ہو سکتے ہیں۔''

وہ بولا: ''اس سلسلے میں آپ سے ہر ممکن تعاون کی کوشش کروں گا۔''

پروفیسر صاحب نے کہا: ''ٹھیک ہے، یہ بتاؤ کہ لاکر میں چیزیں رکھنے سے پہلے تم کیا کر رہے تھے؟''

''مجھے یاد نہیں۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''اچھا، جب تم وہ چیز لاکر میں رکھ رہے تھے تو کیا سوچ رہے تھے؟''

''اس چکر میں نہ پڑیئے پروفیسر صاحب! کہ میں کیا سوچ رہا تھا۔ آپ کوئی اور طریقہ استعمال کیجیے۔'' حسام خان نے نہایت سرد لہجے میں کہا۔

پروفیسر صاحب نے اپنی دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے کہا: ''اچھی بات ہے، آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ اور اس وقت کا تصور کرو جب تم لاکر میں وہ چیز رکھ رہے تھے۔''

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ پروفیسر صاحب نے پوچھا: ''کچھ نظر آیا؟''

''کچھ بھی نہیں، اندھیرا ہے۔''

''کیا لاکر میں رکھی ہوئی چیز کی نوعیت بتا سکتے ہو؟''

''ہاں، وہ ایک کالے رنگ کا بریف......'' حسام خان نے جھٹ آنکھیں کھول دیں: ''آپ اس چیز کے بارے میں فکر نہ کریں، وہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''لاکر کا نمبر کتنے ہندسوں پر مشتمل تھا؟''

''اس کے چار ہندسے تھے۔''

''اس کا پہلا یا آخری ہندسہ یاد ہے؟''

''مجھے کوئی ہندسہ یاد نہیں ہے۔''

اس کے علاوہ بے شمار سوالات کا نتیجہ صفر ہی نکلا۔ پروفیسر صاحب نڈھال ہو کر سوفے پر نیم دراز ہو گئے۔ چائے پینے کے بعد انھوں نے دوبارہ کوشش شروع کی۔ انھوں نے حسام خان سے کہا: ''اب ہم لفظ سے لفظ ملانے کا طریقہ آزمائیں گے، بلکہ تمھارے کیس میں تو یہ طریقہ نمبر سے نمبر ملانا کہلائے گا۔'' انھوں نے چار ہندسوں والے نمبروں کی ایک لمبی فہرست نکالی اور بلند آواز سے پڑھنی شروع کی۔ ہر نمبر کے آخر میں ''نہیں'' کی آواز نکلتی یا وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتا۔ نمبر پڑھتے پڑھتے ان کا گلا خشک ہو گیا۔ ذرا دم لینے کے لیے وہ رکے اور پانی پی کر باقی نمبر پڑھنے لگے۔ حسام خان نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ سو گیا تھا۔

اچانک پروفیسر صاحب کو ایک دوا کا نام یاد آیا۔ دوا کا خیال آتے ہی انھوں نے اپنے دوست ڈاکٹر انصاری کو فون کر کے صورتِ حال واضح کی اور اس دوا کا انجکشن منگوالیا۔

دوسرے دن حسام خان آیا تو پروفیسر صاحب نے اس سے کہا: ''آج تمھیں ایک انجکشن لگایا جائے گا۔''

وہ انجکشن کے لفظ پر چونک گیا: ''میں انجکشن نہیں لگواؤں گا، میں کوئی بیمار آدمی نہیں ہوں۔''

''تم نے اشتہار غور سے نہیں پڑھا۔ اس میں سب سے پہلے یہی لکھا ہے کہ بھول ایک بیماری ہے۔ اور پھر یہ تو ایک بے ضرر انجکشن ہے۔ اس کا اثر زیادہ دیر نہیں رہتا۔ اس کا کام صرف تھوڑی دیر کے لیے لاشعور کو بیدار کرنا ہے۔ تم اپنا سامان حاصل کرنا چاہتے ہو تو بس یہ آخری حل ہے۔''

تھوڑی دیر بحث کے بعد آخر وہ انجکشن لگوانے پر راضی ہو گیا۔

انجکشن کا اثر شروع ہوتے ہی وہ نیند کی حالت میں چلا گیا۔ پروفیسر صاحب نے پوچھا: ''حسام خان! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟''

جواب میں انھیں ایک خراٹا سننے کو ملا۔

پروفیسر صاحب پھر بولے: ''کامل بخشی! تمھارا سامان کہاں ہے؟''

''ریلوے اسٹیشن...... کے لاکر میں...... ایک بریف کیس کے اندر۔''

''تم ریلوے اسٹیشن کیوں گئے تھے؟''

''مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ...... کچھ لوگ...... میری نگرانی کر رہے ہیں۔''

''تم نے اپنا بریف کیس لاکر میں چھپانے کا فیصلہ کیا، لیکن لاکر صرف مسافروں کو الاٹ کیے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے تم نے کوئی ٹکٹ بھی خریدا ہو گا۔''

''ہاں، اور وہ نمبر بھی میں نے اسی ٹکٹ پر لکھ لیا تھا......''

''ایک ایک نمبر ذہن میں لانے کی کوشش کرو۔''

''مجھے...... کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔''

یہ سن کر پروفیسر صاحب کے چہرے سے مایوسی ٹپکنے لگی، لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری: ''نہیں، تمھیں سب کچھ یاد ہے۔ ذہن میں اس ٹکٹ کا تصور لاؤ، وہ کس رنگ کا تھا؟ اس پر نمبر لکھتے وقت تم کیا سوچ رہے تھے؟ یاد کرو، وہ پورا منظر ذہن میں لاؤ، شاباش......''

اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ شاید اس کے لیے یہ عمل اذیت ناک تھا۔ آخر اس نے بڑبڑانے کے انداز میں بولنا شروع کیا: ''ہاں، واقعی یہی نمبر ہیں...... مجھے نمبر صاف نظر آ رہے ہیں۔''

پروفیسر صاحب بے صبری سے بولے: ''ہاں بولو، بولو...... شروع کا نمبر پہلے بولو...... پھر دوسرا، تیسرا اور چوتھا......''

''ایک...... تین...... آٹھ...... پانچ۔''

آخری نمبر بتاتے ہی اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور اس کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔انجکشن کا اثر ختم ہونے کے بعد پروفیسر صاحب نے نوٹ کیا ہوا نمبر اس کے حوالے کر دیا اور اس کے جاتے ہی وہ موبائل پر کسی کو کال کرنے لگے۔

☆☆☆

اسی روز شام کو پروفیسر صاحب کے دروازے پر ایک پولیس موبائل آ کر رکی۔ پولیس افسر کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ کچھ ہی دیر میں پروفیسر صاحب اندر داخل ہوئے۔ پولیس افسر ہاتھ ملانے کے لیے ان کی طرف بڑھا:''مبارک ہو پروفیسر صاحب! وہ پکڑا گیا۔محکمہ آپ کے تعاون کا بہت شکر گزار ہے۔''

پروفیسر صاحب نے پوچھا:''کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟''

''نہیں''،پولیس افسر نے تفصیل سے بتانا شروع کیا:''جیسے ہی اس نے لاکر کھولا، وہاں سادے کپڑوں میں موجود کمانڈوز نے فوراً ہی اس پر قابو پا لیا۔ وہ ایک خطرناک دہشت گرد تھا اور بم بنانے اور نصب کرنے کا ماہر تھا۔ اس کی گرفتاری پر پچیس لاکھ رپے کا انعام تھا۔لاکر میں رکھے بریف کیس میں چار بڑی طاقت کے بم تھے، جو چار مختلف جگہوں پر نصب کرنے تھے۔ بم ڈسپوزل عملے نے وہ بم ناکارہ بنا دیے ہیں۔''

پروفیسر صاحب نے بتایا:''میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ میں اسے پہلے بھی گرفتار کرا سکتا تھا، لیکن لاکر کا خفیہ نمبر معلوم ہونے سے پہلے ایسا کرنا خطرناک تھا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ بریف کیس میں یقیناً کوئی دھماکا خیز مواد ہوگا۔''

دہشت گرد کی گرفتاری اور کسی ممکنہ تباہی سے بچنے پر سب نے ہاتھ اوپر اُٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

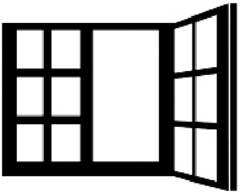

عِلم دریچے

مسلسل اور اچھا مطالعہ حصول علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ مطالعہ کرتے ہوئے کوئی اچھی بات، کوئی اچھا قول، فکر انگیز مکالمہ، کوئی خوب صورت خیال نظر سے گزرے تو اسے اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی محفوظ کر لیجیے۔ آپ جانتے ہیں ناں کہ علم کی تقسیم ہی علم کو ضرب دینے کے مترادف ہے۔ اپنی تحریر حوالہ کے ساتھ بھیجیے تا کہ اسے مستند سمجھا جائے۔

دعا

مرسلہ : محمد خرم خالد، کراچی

سر ہے خم ، ہاتھ میرا اُٹھا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے
فضل کی ، رحم کی التجا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے
ہوں بہ ظاہر بُرا ، نیک صورت
کر بھی دے تُو مجھے نیک سیرت
ظاہر اچھا ہے ، باطن بُرا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے
عیب دنیا میں تُو نے چھپائے
حشر میں بھی نہ اب آنچ آئے
آہ نامہ میرا کُھل رہا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے
مغفرت کا ہوں تجھ سے سوالی
جاؤں گا نہ ترے در سے خالی
مجھ گناہ گار کی التجا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے
یا خدا ماہِ رمضاں کے صدقے
سچی توبہ کی توفیق دے دے
نیک بن جائیں جی چاہتا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے
یا الٰہی کر ایسی عنایت
دے دے ایمان پر استقامت
عاجزانہ مری التجا ہے
یا خدا تجھ سے میری دعا ہے

یہ دنیا

سیدہ ماہم، کراچی

قدرت کی ہر شے آپ کو وہی دکھاتی ہے جو آپ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی جو ہم محسوس کرتے ہیں۔ یہ دنیا خدا کی قدرت کا صرف ایک چھوٹا سا مظہر ہیں۔ نہ جانے اور کتنی پُراسرار دنیائیں ہیں جو ابھی انسانی آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ کچھ کو دریافت کیا جاچکا ہے اور کچھ کے بارے میں تو انسان ابھی جانتا ہی نہیں ہے۔ جیسے کہ ہم جانتے ہیں کہ کائنات میں زمین کے علاوہ اور بھی بہت سے سیارے ہیں جو کہ مل کر نظامِ شمسی بناتے ہیں اور نظامِ شمسی کائنات میں صرف ایک چھوٹے سے نقطے کے برابر ہے۔

سنہرے موتی

حمنہ ایم عقیل، لیاری

☆ جھوٹ، حسد اور ناشکری ایسے کیڑے ہیں جو رزق کی کشادگی، گھر کی خوشحالی کو آہستہ آہستہ کھا جاتے ہیں۔

☆ لوگوں کو دعا کے لیے کہنے سے بہتر ہے کہ ایسے کام کرو کہ لوگوں کے دل سے آپ کے لیے خود دعا نکلے۔

☆ خدا پہ ہمیشہ بھروسا رکھو، کیوں کہ وہ نہیں دیتا جو آپ کو اچھا لگتا ہے، بلکہ وہ دیتا ہے جو آپ کے لیے اچھا ہوتا ہے۔

خاموشی

مصنف : واصف علی واصف

پسند : سعد محمود، حیدر آباد

خاموش انسان، خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔ خاموشی خود ایک راز ہے اور ہر صاحبِ کردار خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔ خاموشی دانا کا زیور ہے اور احمق کا بھرم۔ خاموشی میں عافیت ہے۔ اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے۔ زیادہ بولنے والا انسان مجبور ہوجاتا ہے کہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ سوچ سکے کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔

منیجر برائے تخفیفِ اشاعت

عبدالرافع، کراچی

مشہور ادیب ابراہیم جلیس ''عوامی عدالت'' کے نام سے ایک ہفت روزہ نکالتے تھے۔ہفت

روزے کی اشاعت بڑھانے کے لیے انھوں نے ایک صاحب کو منیجر رکھا۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جتنی کاپیاں بازار میں جاتیں، خیریت کے ساتھ واپس آ جاتیں۔

اس پر جلیس صاحب نے ان صاحب کو ''منیجر برائے تخفیفِ اشاعت'' کہنا شروع کر دیا۔

ایک روز جلیس صاحب کے ایک پرانے جاننے والے تشریف لائے۔ وہ آتے ہی پرچے کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کرنے لگے۔ خوب تعریف کر چکے تو بولے: ''میں نے تازہ شمارے کی دس کاپیاں اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے خریدی ہیں۔''

جلیس صاحب چونک پڑے: ''آپ نے دس کاپیاں خریدی ہیں؟ کہاں سے؟ ہم نے تو جتنی کاپیاں بازار بھیجی تھیں، وہ پوری کی پوری واپس آ گئیں۔ یہ سامنے رکھی ہیں۔ یقین نہ ہو تو گن لیجیے۔ پرنٹنگ بل ابھی نکلواتا ہوں۔''

اچھی باتیں

محمد علیم نظامی، لاہور

☆ اپنی ذات کے لیے صبر اور مخلوق کی بھلائی کے لیے کام کرتے رہنا چاہیے۔

☆ بے کار لوگ اکھٹے ہو جائیں تو کام تو باقی رہتا ہے، وقت نکل جاتا ہے۔

☆ جھوٹے وعدے سے بہتر ہے کہ سلیقے سے انکار کر دیا جائے۔

☆ جہاں عزت مال کی وجہ سے ہو وہاں سب خلافِ حق ہوگا۔

☆ اللہ سے معافی چاہیے تو لوگوں کو معاف کر دو۔ (واصف علی واصف)

☆ گھر ہو یا ملک، بیرونی مداخلت ہوگی تو امن قائم نہیں ہو سکتا۔

☆ والدین کو پیار بھری نظروں سے دیکھنا، ایک حج کرنے کے برابر ہے۔

حفیظ جالندھری

سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان

حفیظ جالندھری کا اصل نام محمد حفیظ تھا۔ وہ ۱۹۰۰ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔ حفیظ جالندھری نے ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ شاعری سے آپ کو فطری لگاؤ تھا، اس لیے جلد ہی تعلیم حاصل کر کے شاعری کے میدان میں آ گئے۔ حفیظ جالندھری

نے شروع میں تو مولانا گرامی سے اصلاح لی۔ پہلے جالندھر میں کاروبار کرتے رہے۔ پھر لاہور آ کر بچوں کے رسالے پھول کے مدیر ہو گئے۔

حفیظ جالندھری نے گیت، غزلیں اور نظمیں کام یابی سے لکھی ہیں۔ وہ پاکستان کے قومی ترانے کے خالق بھی ہیں۔ جو ہر اسکول میں پڑھا جاتا ہے۔ حفیظ جالندھری کی شاعری ایک رنگا رنگ گل دستہ ہے، جس میں بچوں کے لیے خوب صورت گیت، دل کش نظمیں، پُر اثر قومی نغمے اور غزلیں شامل ہیں۔ ان کے کلام میں وطن پرستی، خلوص او رجدو جہد کی تلقین ملتی ہیں۔

بلیوں کا خاندان

ذوہا ندیم، سرگودھا

بلی کے بارے میں تو آپ سب جانتے ہیں۔ شیر اور چیتے بھی بلیوں کے خاندان کا حصہ ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں: ’’بلی شیر کی خالہ ہے۔‘‘

جی ہاں شیر، ٹائیگر، چیتے، تیندوے اور جیگوار سب بلیوں کے خاندان کا حصہ ہیں۔ عام پالتو بلیاں تقریباً ۳۵۰۰ سال سے دنیا میں موجود ہیں۔

ببر شیر (Lion) گروہوں کی صورت میں رہنا پسند کرتے ہیں جو کہ جھنڈ کہلاتے ہیں۔ ایک جھنڈ میں درجنوں شیر ہوتے ہیں۔ ببر شیر درختوں پر نہیں چڑھ سکتے۔

ٹائیگر (Tigers) وہ بڑی بلیاں ہیں، جنھیں گھنے جنگلوں میں رہنا پسند ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ٹائیگر بہت اچھے تیراک ہونے کے ساتھ ساتھ درختوں پر چڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تیندوے (Leopards) تنہائی پسند ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اوپر حملہ کرنے والوں سے تنہا لڑنا پسند کرتے ہیں۔ تیندوے بھی آسانی سے درختوں پر چڑھ جاتے ہیں اور اکثر مضبوط شاخوں پر آرام بھی کرتے ہیں۔ یہ عام طور پر درمیانی قامت کے جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔

اقوالِ زریں

فاطمہ توقیر، کراچی

☆ توبہ کرنا آسان اور گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔

☆ کسی کا بُرا چاہنے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔

☆ ہر حالت میں انصاف کرنا چاہیے۔

☆ علم ایک ایسا بادل ہے جس سے رحمت برستی ہے۔

☆ مایوسی موت کا دوسرا نام ہے۔

☆ غرور سے آدمی کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ کم بولنا عقل مندی کی علامت ہے۔

نونہال ادیب

نونہال قلم کاروں کی تحریریں جو اُنھیں آگے چل کر یاد دلائیں گی کہ اُنھوں نے لکھنے کا آغاز کیسے کیا تھا

- شاکراللہ، کیماڑی، کراچی
- محمد اسحاق کچھی، کراچی
- شیخ طارق امام، کراچی
- سیدہ ناہید نرگس، کراچی
- کاشان صادق، کراچی
- اقراء گل، کراچی
- رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

دعا

شاکراللہ، کیماڑی، کراچی

الٰہی مجھے علم و حکمت عطا کر
جہاں میں مجھے شان و عظمت عطا کر
منور کروں روشنی سے جہاں کو
مجھے وہ چراغِ ہدایت عطا کر
کئی سومنات اب میرے سامنے ہیں
مجھے غزنوی کی شجاعت عطا کر
میرے ننھے دل میں ہمیشہ خدایا
غریبوں ، یتیموں کی اُلفت عطا کر
جہاں میں سحر سا اُجالا ہو ہر سُو
وہ ذوقِ عمل اور ہمت عطا کر

پڑوسی

محمد اسحاق کچھی، کراچی

ہمارے دینِ اسلام نے پڑوسیوں کی تین قسمیں بیان کیں ہیں۔

۱۔ وہ مسلمان پڑوسی جو رشتے دار بھی ہو۔

۲۔ وہ پڑوسی جو مسلمان تو ہو، لیکن رشتے دار نہ ہو۔

۳۔ وہ پڑوسی جو غیر مسلم ہو۔

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی بار بار تاکید کی ہے، بعض مقامات پر تو صحابہ کرامؓ نے یہ محسوس کیا کہ پڑوسی کو ان کی جائداد کا حصے دار نہ بنا دیا جائے۔

ہمیں ہمیشہ پڑوسیوں کی خبر گیری کرنی چاہیے اور کسی چیز کی خاطر ان کو ناحق تنگ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اگر آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور آپ کا پڑوسی بھوکا سویا تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی بُرا

کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مسلمان ہرگز اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا اور اپنے بندوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

اہم پیغام

شیخ طارق امام، کراچی

پروفیسر جون ہلٹن ایک دانشور، ایک مقرر، زندگی کے نشیب و فراز کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے والا شخص تھا۔ اس کا تعلق امریکا سے تھا۔ جس کو سننے اور دیکھنے کی لوگوں کو ہر وقت جستجو اور خواہش ہوا کرتی تھی۔ لوگوں کو اس بات پر حیرانی تھی کہ غریب ماں باپ کا معمولی شکل وصورت والا لڑکا شہرت کی بلندی پر کیسے پہنچ گیا۔ اس وقت جون ہلٹن ہر شہری کی ہر دل عزیز شخصیت تھی اور لوگ اس کی صلاحیت، قابلیت، شہرت اور کامیاب زندگی کا راز جاننا چاہتے تھے۔

شہر کی ایک اصلاحی اور فلاحی تنظیم نے جون ہلٹن کو شہریوں سے خطاب کی دعوت دی۔ خطاب کے بینرز اور پوسٹر شہر کی گلیوں، شاپنگ مال، بس اسٹاپ اور دوکانوں پر آویزاں کردیے۔ بینرز اور پوسٹرز کو پڑھ کر شہریوں کی ایک بڑی تعداد جلسہ گاہ کی طرف اُمنڈ آئی۔ لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ پاؤں رکھنے تک کی جگہ نہیں، آڈیٹوریم میں حدِ نگاہ لوگوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ آڈیٹوریم کے اردگرد کے علاقے لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

لوگوں کے ہجوم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انتظامیہ نے حکومتِ وقت کی مدد سے جون ہلٹن کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے آڈیٹوریم کی چھت پر اُتارنے کا فیصلہ کیا، تاکہ سیڑھیوں کے ذریعے ہال تک آنے میں جون ہلٹن کو کوئی دشواری نہ ہو۔ آخر جون ہلٹن ہال میں موجود اسٹیج پر پہنچ گئے۔

اسٹیج پر کونے میں ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ جون ہلٹن میز کو اسٹیج کے بالکل سامنے لے آئے، تاکہ تمام لوگوں کو میز نظر آسکے۔ میز پر ایک کرسٹل کی بال رکھی ہوئی تھی۔ ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگ بے

چینی سے انتظار میں تھے کہ اب جون ہلٹن کام یاب زندگی گزارنے کے گُر بتائیں گے۔

جون ہلٹن نے جیب سے قلم نکال کر قلم کی مدد سے کرسٹل کی بال کو تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔ ۱۵ منٹ کے بعد جون ہلٹن نے سر اُٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھا تو لوگ جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ہال خالی ہو رہا ہے، جون ہلٹن نے بال کو اور تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ جون ہلٹن اب بوڑھا ہو گیا ہے اور اس میں اب بولنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ جون اب محض وقت ضائع کر رہے ہیں۔

جون ہلٹن نے ۱۵ منٹ بعد سر اُٹھا کر ہال کی طرف دیکھا ہال کافی حد تک خالی ہو چکا تھا۔ ہال میں صرف اتنے لوگ رہ گئے تھے کہ ان کو اُنگلیوں پر آسانی سے گنا جا سکتا تھا۔ جون ہلٹن نے مائیک کو ہاتھ میں اُٹھاتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا: ''بس یہی لوگ کام یاب ہیں، جو اس وقت ہال میں موجود ہیں۔ جو چلے گئے، وہ چلے گئے۔'' یہ کہتے ہوئے جون ہلٹن اسٹیج سے نیچے اُتر کر آڈیٹوریم کی چھت پر موجود ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

دوستو! جون ہلٹن نے ایک جملے میں بہت بڑا پیغام دیا ہے۔ کام یاب شخص وہ ہے جس میں یہ تین خوبیاں موجود ہوں۔ صبر، برداشت، مستقل مزاجی۔ جون ہلٹن کے نزدیک ہال میں موجود لوگوں میں یہ تینوں خوبیاں پائی جاتی تھیں۔

بادشاہ کی پُراسرار بیماری

کاشان صادق، کراچی

کسی ملک میں ایک رحم دل اور عادل بادشاہ حکومت کرتا تھا، اس کی رحم دلی اور انصاف پسندی کے چرچے ملک بھر میں عام تھے۔ رعایا بھی اپنے بادشاہ سے بہت خوش تھی۔ ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا، لوگ ہنسی خوشی دن گزار رہے تھے۔

ایک دن اچانک بادشاہ کے سر میں درد اُٹھا۔ درد اتنا شدید تھا کہ وہ سر پکڑ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ شاہی حکیم نے بادشاہ کی نبض دیکھی اور انتہائی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ملکہ سے کہا: ''بادشاہ سلامت کسی نامعلوم بیماری میں مبتلا ہیں۔''

بادشاہ کی پُراسرار بیماری کی خبر جنگل میں آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل جاتی ہے۔ ملکۂ عالیہ کی طرف سے سارے ملک میں اعلان کرا دیا جاتا ہے کہ جو کوئی بادشاہ سلامت کو اس پُراسرار بیماری سے نجات دلائے گا، اسے ملک کا وزیرِ اعظم بنا دیا جائے گا۔ وزیرِ خزانہ بادشاہ سے شدید حسد رکھتا تھا اور خود بادشاہ بننا چاہتا تھا، ایک سازشی ٹولہ اس کے ساتھ تھا۔

ایک دن ایک حکیم نے بادشاہ کا علاج کرنے کی اجازت چاہی، ملکۂ عالیہ نے فوراً اجازت دے دی۔ جب حکیم نے بادشاہ سلامت کی نبض دیکھی تو شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ملکۂ عالیہ سے علاحدگی میں جا کر کہا: ''بادشاہ سلامت کو کوئی پُراسرار بیماری نہیں، بلکہ انھیں ایسا زہر دیا جا رہا ہے، جو آہستہ آہستہ اپنا اثر کرتا ہے، جس سے انسان کا دماغ ناکارہ ہو جاتا ہے اور وہ ہلنے جلنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ معاف کیجیے گا! مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے بادشاہ سلامت کے خلاف کوئی بڑی سازش کی جا رہی ہے۔''

ملکۂ عالیہ نے حکیم صاحب کی بات بڑے غور سے سننے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا: ''آپ جلد از جلد بادشاہ سلامت کا علاج شروع کریں، میں اس معاملے کو دیکھتی ہوں۔''

حکیم نے کہا: ''زہر کا اثر ختم کرنے کی ایک نایاب جڑی بوٹی ہے، جو صرف کالے پہاڑوں کے دامن میں پائی جاتی ہے، مجھے وہاں پہنچنے میں پندرہ دن لگیں گے۔''

ملکۂ عالیہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: ''میرے ذہن میں ایک ترکیب آ رہی ہے، جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، کیوں نہ ہم بادشاہ سلامت کو بھی اپنے ساتھ کالے پہاڑوں کی طرف لے چلیں۔ اس سے بادشاہ سلامت کی آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی اور ہمارا قیمتی وقت بھی بچے گا۔ روانگی سے پہلے راستے میں اپنے وفادار سپاہی مورچوں میں بٹھا دیں گے۔ سازشی لوگ بادشاہ کو چند آدمیوں کے ساتھ دیکھ کر ضرور حملہ کریں گے اور جیسے ہی وہ حملہ کریں گے ہمارے سپاہی پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں گے۔''

''ملکۂ عالیہ! آپ کی اسکیم بڑی زبردست ہے۔ اس سے سازشی لوگ آسانی سے بے نقاب ہو جائیں گے۔''

حکیم صاحب سازش بے نقاب ہونے تک آپ ہمارے وفادار سپاہیوں کی حفاظت میں رہیں گے۔ انتظامات ہوتے ہی ملکۂ عالیہ نے کالے پہاڑوں کی طرف روانگی کا اعلان کر دیا، شاہی سواری میں حکیم صاحب کے علاوہ بہت کم لوگوں کو لیا گیا تھا۔

وزیرِ خزانہ یہ اعلان سن کر بہت خوش ہوا اور اپنے حامیوں سے کہنے لگا: ''مبارک ہو! ملکۂ عالیہ نے ہماری مشکل آسان کر دی، اب ہم شاہی سواری پر حملہ کر کے ملک پر قبضہ کرلیں گے۔ شاہی سواری آبادی سے نکل کر جنگل سے گزر رہی تھی، وزیرِ خزانہ کے ایک جاسوس نے جو شاہی سواریوں میں شامل تھا۔ موقع پاتے ہی لال رنگ کے غبارے فضا میں چھوڑ دیے۔ وزیر اسی اشارے کا منتظر تھا، اس نے فوراً اپنے لشکر کو غبارے کی سمت بڑھنے کو کہا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وزیرِ خزانہ اور اس کے ساتھ شاہی سواری کو چاروں طرف سے گھیرنے لگے۔ ابھی وہ ٹھیک سے شاہی سواری کا جائزہ بھی نہ لے پائے تھے کہ ان پر چاروں طرف سے تیر برسنے لگے، تیروں کی بارش اتنی شدید تھی کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ شاہی فوج جو جنگل میں چھپی ہوئی تھی، چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ وزیرِ خزانہ بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ اتنے میں سپہ سالار تیزی سے اس کی طرف آیا۔ اسے دیکھتے ہی وزیرِ خزانہ معافیاں مانگنے لگا: ''مجھے معاف کر دو، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔''

''تمھاری سزا یا معافی کا فیصلہ تو عدالت کرے گی، فی الحال تو عوام کا فیصلہ سن لو۔''

مطلوبہ بُوٹی حاصل کر کے شاہی لشکر دوبارہ شہر میں داخل ہوا۔ عوام نے وزیرِ خزانہ کو پکڑ کر اس کے منھ پر کالک ملی اور گدھے پر سوار کر کے پورے شہر کا چکر لگوایا تا کہ بغاوت کرنے والے کا عبرت ناک انجام پورا ملک دیکھ لے، اس طرح حسد کی آگ میں جلنے والا وزیرِ خزانہ خود اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں جا گرا۔

مغرور بھنڈی

اقراء گل، کراچی

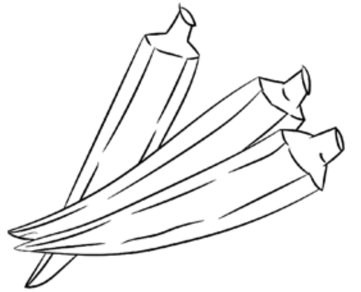

گئے وقتوں کی بات ہے۔ گرمی شروع ہو چکی تھی اور شدت سے بڑھ رہی تھی۔ ہر انسان گرمی میں پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور یہی حال سبزیوں کا بھی تھا۔ گاؤں میں بہت سے کھیت تھے۔ ان کھیتوں میں کچھ سبزیاں اُگی ہوئی تھیں۔ اچانک کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ ڈر کے مارے آلو میاں، لیمو، ٹماٹر، بینگن، کدو اور مرچیں اکٹھے ہو کر ایک ساتھ آواز کی

طرف دیکھنے لگے۔ انھیں پتا تھا کہ یہ آواز مغرور بھنڈی کی ہے۔ اسی وقت کھیت سے ایک لمبی اور اسمارٹ سی بھنڈی آ نکلی: ''ہائے ہائے! کتنی گرمی ہے اور کتنی تیز دھوپ چمک رہی ہے، ارے ہٹو ہٹو یہاں سے آلو! ہر وقت آ کے کھڑے ہو جاتے ہو سر پر، اوپر سے اتنے موٹے موٹے ہو کہ بس۔ ارے میری طرح اسمارٹ رہا کرو، خوب صورت رہا کرو۔ ارے ہاں، میں تو بھول ہی گئی خوب صورتی تو تم لوگوں کو چھو کے بھی نہیں گزری۔ خاص طور پر آلو میاں! تم کتنے گندے رہتے ہو اور کتنے موٹے ہو اور تمھیں کھانے والا بھی موٹا ہو جاتا ہے۔''

ان ساری باتوں سے آلو کا دل بہت دکھا۔ آلو دل کا اچھا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی باتوں کو نظر انداز کرتا اور وہ بھنڈی کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ یہ بات ساری سبزیوں کو پتا تھی۔ بھنڈی بہت مغرور تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خوب صورت سمجھتی تھی۔ وہ ساری سبزیاں بھنڈی کو پسند نہیں کرتی تھیں، جب کہ سب آلو کو پسند کرتی تھیں۔ بھنڈی کو یہ بات بہت بُری لگتی تھی۔ اسے آلو سے بہت چڑ تھی۔ ایک دن آلو نے ساری سبزیوں سے کہا کہ بھنڈی سے میری صلاح کرا دیں۔ وہ سب بھنڈی کی طرف چل پڑے۔ جب بھنڈی کو یہ پتا چلا تو بھنڈی نے ساری سبزیوں کو کھری کھری سنائی اور خوب بے عزتی کی۔ آلو کو اس کے موٹے ہونے کا طعنہ دیا، جس سے آلو میاں کا دل ٹوٹ گیا اور بھنڈی کو بہت بُری بد دعا دی۔ آپ لوگوں نے تو مشاہدہ کیا ہی ہوگا کہ اکثر جب آپ لوگ بھنڈی پکاتے ہیں اسے اکیلا یا صرف گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں۔ بھنڈی کے علاوہ کچھ اور سبزی بناتے ہیں تو آپ اس میں آلو ڈالتے ہوں گے۔ جیسے کہ آلو مٹر، آلو پالک، آلو گوبھی، آلو ٹماٹر، آلو مرچیں اور بھی بہت سی سبزیاں ہیں جو آلو کے ساتھ اچھی لگتی ہیں۔ اگر آپ بھنڈی کے ساتھ آلو ڈال بھی دیں تو آپ کو کھانے میں مزہ نہیں آئے گا، کیوں کہ آلو ساری سبزیوں کا دوست ہے اور بھنڈی کو کوئی خاص پسند نہیں کرتا۔ یہ ہے مغرور بھنڈی کا انجام۔ یقیناً میری طرح آپ کو بھی آلو بہت پسند ہوگا۔

وہ کون تھا

رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

میرا نام خورشید بٹ ہے۔ میں نے اپنے گھر کی

بیٹھک میں کریانے کی ایک چھوٹی سی دوکان کھولی ہوئی ہے۔لوگوں کے خیال میں، میں کافی بزدل آدمی ہوں۔جنوں بھوتوں کے واقعات سے بہت ڈرتا ہوں۔آج سے پانچ سال پہلے میں چوکیدار تھا۔ میری ڈیوٹی شہر کے ایک بازار میں لگی تھی۔میں رات ۸ سے صبح ۸ تک ڈیوٹی کرتا تھا۔ایک رات ایسا واقعہ ہوا جس کی وجہ سے میں نے نوکری چھوڑی۔جنوری کے آخری ایام چل رہے تھے۔رات ۲ بجے کا وقت تھا تو مجھے تھوڑی سی اونگھ آ گئی۔ڈھائی بجے کے قریب میری آنکھ کسی گاڑی کی آواز سے کھلی۔ میں نے دیکھا کہ ایک پرانے ماڈل کی گاڑی دور سے آ رہی ہے۔میں چوکنا ہو کر بندوق سنبھال کر بیٹھ گیا۔گاڑی میرے قریب سے گزری تو میں نے گاڑی اور گاڑی والے کا جائزہ لیا۔ ایک آدمی ہیٹ اور کوٹ پہنے ہوئے تھا اور ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ہیٹ کا اگلا حصہ کافی نیچے تھا۔اس کی آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ گاڑی میں کوئی اور فرد سوار نہیں تھا۔تھوڑی دور جا کر اس آدمی نے گاڑی روک دی۔وہ گاڑی سے اُترا اور میری طرف دیکھ کر اُنگلی سے مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔جب میں اس کے قریب گیا تو اچانک اس آدمی کا قد بلند ہونا شروع ہو گیا اور چند سیکنڈ کے اندر اس آدمی کا قد اتنا بڑھ گیا کہ دوکانوں کی چھتوں سے بھی کئی فیٹ اوپر چلا گیا اور پھر اچانک اس آدمی نے میری طرف گردن موڑی۔خوف کے مارے گھگی بندھ گئی تھی۔ایسے لگتا تھا جیسے ابھی میری موت واقع ہو جائے گی۔ میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے برف ہو گئے تھے۔اس نے میری طرف دیکھا۔اس کی آنکھیں چونے کی طرح سفید تھیں۔میں نے زوردار چیخ ماری اور جلدی سے ساتھ والی گلی میں گھس گیا۔اس نے میرے کندھے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔میں اپنا پورا زور لگا کر بھاگتا چلا گیا۔

پیچھے سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی خونخوار جانور غرا رہا ہو۔ایک دفعہ آواز آئی: ''تمھارے پیسے گر گئے ہیں آؤ یہ لے لو اور پھر چلے جاؤ۔''

لیکن مجھے پتا تھا کہ یہ سب دھوکا ہے۔ وہ شیطانی مخلوق مجھے اپنے شکنجے میں جکڑنا چاہتی ہے۔

میں گلیوں میں بھاگتا رہا۔آخر کچھ منٹ بعد اپنے گھر کے دروازے پر تھا۔ میں نے دھڑا دھڑ دروازے کو پیٹا۔ ساتھ ساتھ ''بچاؤ بچاؤ'' کی آواز بھی لگائی۔ میرے ذہن میں تھا کہ اگر وہ شیطانی مخلوق میرے پیچھے آ بھی گئی تو بہت سے لوگوں کو دیکھ کر بھاگ جائے گی۔میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔محلے کے کئی افراد میرا شور سن کر دروازہ کھول کر گلی میں آ گئے۔میری بیوی نے جلد ہی دروازہ کھول دیا۔میں

بے دم ہو کر اندر گر پڑا۔ محلے داروں نے مجھے اُٹھا کر کمرے میں بستر تک پہنچایا۔ میں دیوانہ وار بول رہا تھا: ”گھر کا دروازہ بند کرو، جلدی کرو، جلدی کرو۔“ جلدی سے گھر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ فرید چچا نے میرے لیے چائے بنوائی۔ مجھے لحاف اوڑھایا گیا۔ لحاف میں بیٹھ کر میں نے گرم گرم چائے پی تو اوسان بحال ہوئے۔ آخر میں نے تمام لوگوں کو اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ تمام لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ بہرحال کچھ دیر بعد تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ میں نے شکرانے کے دو نوافل ادا کیے اور سو گیا۔ اس واقعے کے بعد میں نے چوکیدار کی نوکری چھوڑ دی۔

اُڑنے والا ہاتھی

سیدہ ناہید نرگس، کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی گاؤں میں بہت ہی غریب دھوبی رہتا تھا۔ کپڑوں کی دھلائی کے ساتھ ساتھ اسے آسمان کو قریب سے دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اور اس کی بیوی روز دھوبی گھاٹ پر کپڑے دھونے جاتے تھے۔ ایک روز جب اس کی بیوی کپڑوں کو سکھا رہی تھی، اس کی نظر آسمان پر پڑی۔ کیا دیکھتی ہے کہ آسمان سے ایک ہاتھی اُڑتا ہوا زمین پر اُتر رہا ہے۔ جیسے ہی وہ زمین پر اُترا تو وہ غائب ہو گیا۔ دو تین روز تک وہ دونوں یونہی ہاتھی کو زمین پر اُترتا دیکھتے رہے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ کل وہ اس ہاتھی پر نظر رکھیں گے کہ ہاتھی زمین پر کیوں اُترتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟

اگلے دن دونوں شدت سے اس ہاتھی کا انتظار کرنے لگے۔ آسمان پر بار بار نظر دوڑانے لگے۔ آخر ان کو آسمان سے ہاتھی زمین پر اُترتا نظر آ ہی گیا۔ دونوں اس کے پیچھے چل پڑے ہاتھی گنے کے کھیتوں میں گھس گیا اور خوب پیٹ بھر کر گنے کھانے لگا۔

ہاتھی کا پیٹ بھرا اور اُڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ جیسے ہی اس نے اُڑان بھری دونوں میاں بیوی نے بھی ہاتھی کی دُم پکڑ لی اور ہاتھی کے ساتھ اُڑنے لگے۔ ہاتھی آسمان کی بلندیوں کو پہنچا تو دھوبی کیا دیکھتا ہے کہ ایک پہاڑ ہیرے سونے کے جواہرات سے چمک رہا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اپنا خزانہ یہاں چھوڑ کر بھول گیا ہے۔

دونوں میاں بیوی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

آخر ہاتھی پہاڑ پر اُتر گیا۔ دونوں میاں بیوی بھاگ کر سونے پر ٹوٹ پڑے اور زیادہ سے زیادہ سونا اکھٹا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ رات کے بڑھتے اندھیرے سے پریشان ہونے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ صبح ہوتے ہی وہ ہاتھی کی دُم پکڑ کر زمین پر اُتر جائیں گے۔ آخر صبح ہوئی اور ویسا ہی کیا۔ زمین پر اُترے اور اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہوگئے۔

ایک غریب دھوبی جو روز بروز امیر ہوتا جارہا تھا، اس کو دیکھ کر سارا گاؤں حیران و پریشان ہوگیا کہ اچانک ایسا کیا ہوا کہ دھوبی اتنا امیر ہوگیا ہے۔

گاؤں کے لوگ دھوبی کے پاس آئے اور اس کے یوں اچانک امیر ہونے کا راز پوچھنے لگے۔ دھوبی ان کو کچھ نہ بتاتا۔ ایک دن دھوبی کسی کام سے شہر سے باہر نکل گیا۔ اس بات کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کی ہمسائی دھوبن کے پاس آئی اور باتوں باتوں میں خزانے کا راز اُگلوالیا۔

رات کو جب دھوبی واپس آیا دھوبن نے سارا ماجرا بتایا۔ دھوبی کو اپنی بیوی کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا، مگر اب بات ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ صبح سارا گاؤں دھوبی سے مدد مانگنے آ گیا کہ وہ ان کے ساتھ کھیتوں میں چلے اور ہاتھی کے ساتھ خزانے تک پہنچانے میں ان کی مدد کرے۔ یہ سب سننے کے بعد دھوبی کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ وہ ان کے ساتھ جا کے اور خزانہ اکھٹا کر کے لائے گا۔ یہ سوچ کر وہ ان کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہوگیا۔ اگلی صبح سارے گاؤں والے کھیتوں کی طرف نکل گئے اور آنکھیں آسمان پر جمائے بیٹھے تھے۔ ہاتھی زمین پر اُترا اور گنے کھانے لگا۔ سب گاؤں والے اس تاک میں تھے کہ جیسے ہاتھی گنے کھا کے فارغ ہوگا، وہ سب اس کی دُم پکڑ کر اس خزانے تک پہنچ جائیں گے۔ جیسے ہی ہاتھی اُڑنے لگا سب نے اس کی دُم پکڑ لی۔ دھوبی سب سے آگے اس کی دُم پکڑے ہوئے تھا اور یوں اس کے پیچھے ایک لمبی قطار میں پورے گاؤں والے ایک دوسرے کو پکڑے اُڑتے چلے جارہے تھے۔

سب گاؤں والے آپس میں باتیں کرنے لگے کہ وہاں اتنا خزانہ ہوگا کہ ہم سب لے کر آسکیں گے کسی نے کہا خود سے سوچنے سے اچھا ہے کہ ہم کیوں نہ دھوبی سے پوچھ لیں۔ ایک گاؤں والے نے پوچھا کہ وہاں کتنا سونا ہے؟ دھوبی خزانے کی لالچ میں گاؤں والوں کے ساتھ چل دیا تھا۔ دُم کو چھوڑتے ہوئے ہاتھوں کو پھیلا کر کہنے لگا: ''اتنا زیادہ۔'' یہ کہنے کی دیر تھی کہ سب کے سب زمین پر گر پڑے اور ہاتھی مزے سے آسمان میں اپنی اُڑان بھرنے لگا اور گاؤں والوں کو ان کی لالچ کی سزا مل گئی۔

انعامی سلسلہ ۲۸۷

معلومات افزا

س۔ف

درجِ ذیل ۱۰ سوالات کے جوابات **۱۵ نومبر ۲۰۱۹ء** سے قبل بھجوا دیں۔ جواب کے ساتھ کوپن کا آنا ضروری ہے۔ تمام درست جواب دینے والے پندرہ نونہال انعام کے حق دار ٹھہریں گے۔ تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں انعام کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔

۱ حضرت صفیہؓ، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی .... تھیں، جو بہت اچھے اشعار کہتی تھیں۔ (پھوپھی ۔ خالہ ۔ چچی)

۲ ۱۹/ جولائی .... کو رومی بادشاہ نیرو نے اپنے ہی شہر کو آگ لگوا دی تھی۔ (۶۴ء ۔ ۶۹ء ۔ ۷۵ء)

۳ قائداعظم کے مزار کا سنگِ بنیاد ۱۳/ جولائی .... کو رکھا گیا تھا۔ (۱۹۴۹ء ۔ ۱۹۵۲ء ۔ ۱۹۶۰ء)

۴ پاکستان کے پہلے ساحلی جہاز .... کا افتتاح لیاقت علی خاں نے ۱۵/ اپریل ۱۹۴۸ء کو کیا تھا۔ (قاسم ۔ بابر ۔ عباس)

۵ کنول کے پھول کا دوسرا نام .... ہے۔ (جوہی ۔ نیلوفر ۔ موگرا)

۶ کیکڑے کی .... ٹانگیں ہوتی ہیں۔ (چھے ۔ آٹھ ۔ دس)

۷ ۱۹۶۴ء میں جدید اولمپک کھیل .... میں منعقد ہوئے۔ (سنگاپور ۔ جاپان ۔ چین)

۸ محمد ثناء اللہ ڈار، مشہور شاعر .... کا اصل نام ہے۔ (میراجؔی ۔ شیفتہؔ ۔ آتشؔ)

۹ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ”آنکھوں سے دیکھا، نہ .... سے سنا“ (بزرگوں ۔ کانوں ۔ کسی)

۱۰ حضرت امیر مینائی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

زیست کا اعتبار کیا ہے امیرؔ آدمی بلبلہ ہے .... کا (پانی ۔ صابن ۔ بارش)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۸۷ (نومبر ۲۰۱۹ء)

نام : --

پتا : --

عمر : -------------------- تعلیم : --------------------

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (نومبر ۲۰۱۹ء)

عنوان : --

نام : --

پتا : --

عمر : -------------------- تعلیم : --------------------

کوپن برائے نام بوجھیے (نومبر ۲۰۱۹ء)

نام شخصیت : --

نام نونہال : -------------------- عمر : ---------- تعلیم : ----------

پتا : --

ایک کوپن، ایک نونہال کے لیے ہے۔ ایک ہی عنوان لکھیے۔
اپنا پتا صاف اور خوش خط لکھیے۔ کوپن کو A4 سائز کے کاغذ پر چسپاں کیجیے اور
۱۵ نومبر ۲۰۱۹ تک بھجوا دیجیے۔

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا مفت طبی معائنہ کرنے کے بعد مفت ادویات بھی دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی ،لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کے لیے مخصوص ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

آدھی ملاقات

شامل اشاعت بیشتر خطوط ہمدرد نونہال ستمبر ۲۰۱۹ء سے متعلق ہیں

ستمبر کا شمارہ عمدہ اور زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ نے ہمیشہ کی طرح اچھا پیغام دیا۔ پہلی بات میں سلیم مغل نے اہم بات بتائی۔ روشن خیالات میں سبھی خیالات سبق آموز تھے۔ میجر عزیز بھٹی شہید اچھا مضمون ہے۔ سام ہاؤس کی پہلی قسط پسند آئی۔ نظمیں ساری ہی بہترین تھیں۔ ''جادوگر'' نے سائنس کے بارے میں معلومات دیں۔ نونہال مشاعرہ اور شین شرارت بہت اچھے سلسلے ہیں۔ اس بار شرفو کی کہانی، چچا شیخی باز اور بلاعنوان کہانی تین بہترین کہانیاں تھیں۔ سفرنامہ امریکا اچھا جارہا ہے۔ نونہال مصور میں آمنہ بختاور کی مصوری سب سے اچھی لگی۔ نونہال ادیب میں سب نونہالوں نے اچھا لکھا۔

محمد احمد اسلم، کراچی

ستمبر کا نونہال بہت زبردست ہے۔ بلاعنوان کہانی پڑھ کر تو میری اور میری بہنوں رفعت، ساجدہ، شہناز اور مہناز کے علاوہ میڈم ثمینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیسا عظیم بھائی اور مہربان باپ تھا، جو خود نہ پڑھ سکا، لیکن بہن بھائی اور اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، لطیفے، معلومات افزا، نام بوجھیے تو بہترین سلسلے ہوتے ہیں۔ میجر عزیز بھٹی، سام ہاؤس، شرفو کی کہانی سب اچھی تحریریں تھیں۔ چچا شیخی باز اور بغداد کا تاجر بھی بہترین کہانیاں ہیں۔ نظموں میں تتلیاں، صفائی، آگے بڑھو، میں بہت اچھا سبق بھی ہے۔

سیدہ ناہید نرگس، کراچی

ہمدرد نونہال میں پانچویں کلاس سے پڑھتی آرہی ہوں۔ اب انٹر میڈیٹ کے پیپر دیے ہیں۔ ہمارے گھر والوں کا بھی ہمدرد

نونہال سے بہت پرانا رشتہ ہے۔ بے شک ہمدرد نونہال بہت زبردست رسالہ ہے، لیکن پچھلے تین چار مہینوں سے ہمدرد نونہال کچھ خاص نہ لگا، کیوں کہ کہانیوں کا معیار کچھ بہتر نہ تھا۔ آپ کی محنت پہ شک نہیں ہے۔ ہمدرد نونہال مجھے اپنا سا لگتا ہے۔

مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخو پورہ

ستمبر کے شمارے میں شامل جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے سبق حاصل ہوا۔ حمد اور روشن خیالات بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ کہانیوں میں شرفو کی کہانی اور بغداد کا تاجر زبردست رہی۔ نظمیں بھی اچھی تھیں۔ ستمبر کے پورے شمارے سے بہت سا سبق سیکھنے کو ملا۔ آپ لوگوں کی محنت ہی سے ہر شمارہ نونہالوں کا دل جیت لیتا ہے۔

حمنہ محمد عقیل شاہ، کراچی

ستمبر کا شمارہ حسبِ سابق اچھا لگا۔ تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ خاص کر چچا شیخی باز، سام ہاؤس اور بغداد کا تاجر۔ اشتیاق احمد کا کوئی ناول قسط وار شائع کریں۔

عبیرہ صابر، کراچی

ستمبر کا شمارہ دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ رسالے میں تصویروں کی جو تبدیلی ہوئی ہے، اس طرح کی تصویریں تو ہر رسالے اور اخبار میں لگی ہوتی ہیں۔ شروع سے ہمدرد نونہال کا منفرد انداز تھا۔ کہانیاں اور نظمیں بھی پسند نہیں آئیں۔ اب ہمدرد پرایا سا لگتا ہے۔

تفسیر حیدر تفسیر، سرگودھا

> آپ کی شکایت کا بہت توجہ سے جائزہ لے رہے ہیں، جلد آپ کی مایوسی دور ہو جائے گی۔ آپ کی بھیجی ہوئی تحریر اچھی ہے۔

ہمدرد نونہال ستمبر کا شمارہ اچھا تھا۔ رسالے میں تبدیلیاں مجھے اچھی لگی ہیں۔ شین شرارت اور نونہال مشاعرہ اچھے سلسلے ہیں۔ محمد سلیم مغل نے سفرنامۂ امریکا بہت اچھا لکھا ہے۔

ارفع زینب چشتی، ڈیرہ غازی خان

ماہ ستمبر کا شمارہ بھی ہر شمارے کی طرح اپنی مثال آپ تھا۔ شمارہ آتے ہی سب سے پہلے جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھی، جس سے معلومات میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ

ہوا اور پھر تمام کہانیاں، نظمیں اور معلوماتی تحریریں پڑھیں جو بہت زبردست اور سپر ہٹ تھیں۔ پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ نونہال ادیب میں اپنی بہن اور باقی تمام نونہال ساتھیوں کی تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ میری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نونہال ساتھیوں کو مزید اچھا اور زبردست لکھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) دیکھا جائے تو ہر بار کی طرح اس بار کے نونہال نے بھی ہمیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع دیا۔

رقیہ محمد اقبال شاہ، کراچی

ہمدرد نونہال ایک دل چسپ اور معلوماتی رسالہ ہے۔ بانی شہید پاکستان حکیم محمد سعید ہم نونہالوں کو ہمیشہ کے لیے ایک پیارا رسالہ نونہال دے کر چلے گئے جو ہمارا رہبر ہے۔ اے اللہ! یہ اسی طرح دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

سید محمد احمد، کراچی

ستمبر کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ فہرست سے لے کر لغت تک ایک ایک جملہ پسند آیا۔ سرورق بھی خوب صورت تھا۔ کہانیاں بھی سب زبردست تھیں، مگر بلاعنوان ٹاپ پر تھی۔ شین شرارت کے سارے لطیفے اچھے تھے۔

ایمن شاہد، میرپورخاص

ستمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ ہر بار کی طرح بہترین تھا۔ ہر کہانی بہت اچھی تھی۔ تتلیوں کے بارے میں بہت سی معلومات ملی۔ بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ شین شرارت پڑھ کر خاص مزہ نہیں آیا۔

فاطمہ توقیر، کراچی

ستمبر کا شمارہ بہترین تھا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔ سب سے اچھی کہانی ''سام ہاؤس'' لگی۔ اس کے علاوہ بلاعنوان کہانی، بغداد کا تاجر، شرفو کی کہانی، جادوگر اور میجر عزیز بھٹی شہید تحریریں بہترین تھیں۔ نظمیں، نونہال ادیب، علم دریچے اور نونہال مشاعرہ اچھا لگا۔ چچا شیخی باز کچھ خاص نہیں تھی۔

تسبیحہ شکیل احمد منصوری، سانگھڑ

ستمبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ سب سے اچھی کہانی ''سام ہاؤس''

تھی۔ بغداد کا تاجر اور بلاعنوان کہانی بھی زبردست تھیں۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک ساری کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔ انکل! کیا ممبر شپ کا سلسلہ اب بھی جاری ہے؟

اُمِ ابیہا شکیل احمد منصوری، سانگھڑ

> تھوڑا سا انتظار کرلیں۔ کتابوں کی فہرست ترتیب دی جا رہی ہے۔

میں ہمدرد نونہال کی بہت بڑی مداح ہوں اور کافی عرصے سے میرا اور میرے نونہال کا ساتھ ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا خط ضرور شائع کیا جائے گا۔

مسفرہ امیر، واہ کینٹ

> آپ نے ہمدرد نونہال کی پسند نہ پسند کے بارے میں نہیں لکھا۔ ہم نونہالوں کی رائے کے مطابق اسے بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کی دونوں کہانیاں سیاسی انداز کی ہیں، جو نونہالوں کا موضوع نہیں ہے۔

عظیم قائد اور میجر عزیز بھٹی شہید اس ماہ کے شمارے کے شایانِ شان ہیں۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سام ہاؤس کا پہلا حصہ پڑھ کر بقیہ کا انتظار ہے۔ بغداد کا تاجر کہانی کا بھی جواب نہیں اور انعامی سلسلے تو ہر شمارے کی جان ہوتے ہیں۔ ابھی پورا رسالہ نہیں پڑھا ہے بس ابھی یہی کہانیاں پڑھی ہیں۔ اُمید ہے باقی بھی اچھا ہی ہوگا۔ اس شمارے میں پروف ریڈنگ کی غلطی بھی کوئی ابھی تک نہیں آئی ہے۔ انکل! اب کوپن کی تعداد ۳ ہوگئی ہے تو کیا ہم بلاعنوان کہانی اور شخصیت بوجھیے کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا سکتے ہیں؟

عبدالرحمٰن عارف، کراچی

> ہر کوپن الگ الگ کم از کم کاپی سائز کے کاغذ پر چپکایئے، کیوں کہ ہر شعبے کا الگ الگ کام ہے۔

نونہال خبر نامہ

خرم فرخی

طالب علم تھیلے میں

دنیا کے بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں تعلیم کی خاطر بچوں کو انتہائی دشوار گزار راستوں سے گزر کر اسکول پہنچنا پڑتا ہے۔ ویت نام کے صوبے ''ڈائن بائن'' میں واقع ایک دور دراز گاؤں ''ہوائی ہا'' میں پرائمری جماعتوں کے بچوں کو دریا پار کر کے اسکول پہنچنا پڑتا ہے۔ بچے اپنے گھر سے کئی کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے دریا کنارے پہنچتے ہیں۔ وہاں انھیں ایک بڑے اور مضبوط پلاسٹک بیگ میں ہوا بھر کر بٹھایا جاتا ہے، پھر ایک آدمی تھیلے کو پکڑ کر بپھرے ہوئے دریا میں تیراتا ہوا اسے کنارے تک پہنچاتا ہے۔

۹۴ سالہ بہن بھائی کی گریجویشن

ایک مقولہ ہے کہ علم حاصل کرو مہد سے لحد تک۔ یعنی پیدائش سے موت تک علم حاصل کرتے رہنا چاہیے۔ علم حاصل کرنے کے لیے عمر کی بندش نہیں ہے۔ عزم اور جدو جہد سے سفر کیا جائے تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ امریکا کے ۹۵ سالہ جارج اور ان کی ۹۴ سالہ بہن انیتا نے بڑھاپے میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کر لی۔ جارج دوسری جنگِ عظیم میں ٹینک ڈرائیور تھے۔ دنیا بھر میں ان بزرگ بہن بھائی کو گریجویشن کی ڈگری لینے پر داد دی جا رہی ہے۔

گدھوں کی دوڑ

آپ نے انسانوں کی میراتھن یعنی لمبی دوڑ کے بارے میں تو ضرور سنا ہوگا، لیکن اب گدھوں کی میراتھن ریس بھی کرائی جاتی ہے۔ جس میں گدھے بغیر گاڑی کے دوڑتے ہیں۔ مصر میں گدھوں کی یہ دوڑ ہر سال ہوتی ہے۔ ریس میں شریک ہونے والے اپنے اپنے گدھوں پر سوار ہوکر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ریس میں کچھ گدھے تو اپنے مالک کو جتوانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ جب کہ کچھ گدھے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ریس کے بیچوں بیچ ہار مان کر ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ دیکھنے والے خوب مزہ لیتے ہیں۔ جیتنے والے گدھے کے مالک کو انعام دیا جاتا ہے۔

تھری ڈی پینٹنگ

دنیا کے ہر شعبے میں جدت پیدا کی جاسکتی ہے۔ نیا پن لایا جاسکتا ہے۔ اٹلی کے ''پیٹا'' نامی ایک فن کار سادہ عمارتوں پر اس مہارت سے فن پارے بناتے ہیں کہ عمات تھری ڈی کا شاہ کار بن جاتی ہے۔ یہ فن کار بصری دھوکے کے ماہر ہیں۔ وہ دیواروں پر کچھ اس طرح رنگ کرتے ہیں کہ ہر زاویے سے ڈرائنگ اُبھری ہوئی دکھائی دیتی ہے اور تصویر کے پہلو آپس میں بدلتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب بھی دیواروں پر رنگ روغن کرتا ہوں تو کوشش ہوتی ہے کہ جاذبیت کے ساتھ ثقافت بھی نظر آئے اور جسے عام آدمی بھی پسند کرے۔

جوابات معلومات افزا - ۲۸۵

ستمبر۲۰۱۹ء میں شائع ہونے والے معلومات افزا - **۲۸۵** کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔اس بار تمام درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد **۱۵** سے زیادہ تھی،اس لیے قرعہ اندازی کر کے **۱۵** نام نکالے گئے۔ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ اُمہات المومنین میں صرف حضرت اُمِ سلمیٰ ؓ ہی سانحہ کربلا کے وقت زندہ تھیں۔

۲۔ ’’سنا گوگ‘‘ یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔

۳۔ فرعونوں کے آخری خاندان میں بطلیموسی دور کی آخری ملکہ قلوپطرہ ہفتم تھی۔

۴۔ ادیب، محقق اور مورخ ڈاکٹر جمیل جالبی علی گڑھ میں پیدا ہوئے تھے۔

۵۔ مشہور کتاب ’’فرینڈز ناٹ ماسٹرز‘‘ صدر پاکستان محمد ایوب خان کی سوانح عمری ہے۔

۶۔ مشہور شہر ’’کاسابلانکا‘‘ مراکش میں ہے۔

۷۔ اسپین کی کرنسی پسیٹا کہلاتی ہے۔

۸۔ ’’سید محمد حسین‘‘ مشہور شاعر استاد قمر جلالوی کا اصل نام ہے۔

۹۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ’’سانپ کے منھ میں چھچھوندر‘‘

۱۰۔ حضرت داغ دہلوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

نہیں کھیل، اے داغ! یاروں سے کہہ دو　　　کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: عبیرہ صابر، وردہ شاہ، عائشہ اشرف صدیقی، احتشام الدین، سیدہ رومیشہ طارق، زاہرہ سلطانہ ☆ نوشہرو فیروز: نازیہ ابراہیم پُھل ☆ قصور: فروا ظہیر ☆ لاہور: ارحم ذی شان یٰسین ☆ مظفر گڑھ: محمد یحییٰ خان ☆ راولپنڈی: ملک محمد احسن ☆ حیدر آباد: مرزا حیان بیگ ☆ میرپور خاص: عائشہ مہک ☆ ٹنڈو الہیار: آمنہ آصف کھتری ☆ اوکاڑہ: عروسہ تنزیل۔

۱۰ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: وردہ مصطفیٰ، محمد عاقب مصطفیٰ، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سیدہ عاتکہ محمد عابد حسین، ردا حمید، زینب سلیم، حسان خالد، ارسلان احمد، عائشہ احمد، مریم آصف، محمد احمد اسلم، فاطمہ توقیر، سیدہ ناہید نرگس، سید عفان احمد، حافظہ حور لائبہ خدادا ☆ لاہور: امتیاز علی ناز، حفصہ سجاد، مہ نور ذی شان یٰسین، حنا نعمت، اسامہ ضیا، ولید اشرف ☆ مظفر گڑھ: عبیرہ ملک، سارہ عزیز ☆ راولپنڈی: ہانیہ نور بٹ، شاز ز احمد، وردہ نعیم، محمد سلمان بٹ ☆ حیدر آباد: صارم ندیم، محمد یوسف قریشی، عائشہ ایمن عبداللہ، سعد محمود ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ
☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ ڈیرولال: شیر جان بھلم پٹھان، تیمور جان بھلم پٹھان۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: علینا اختر، یمنیٰ شیخ، عبدالرحمٰن عارف، رابعہ شرف الدین ☆ کوٹ غلام محمد: محمد جیلان رضا
☆ پرانا سکھر: محمد حسیب ☆ ممتاز آباد: صبغہ اظہر۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ راولپنڈی: بلال صفدر ☆ حیدر آباد: مشعل بنتِ عدنان۔

۷ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆ کراچی: سیدہ فاطمہ شعیب، غلام سرور، عبید سردار، دلاور، ثانی زہرا ☆ راولپنڈی: فائزہ ثاقب۔

۶ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: فاطمہ ناہید، اعجاز احمد، محمد حسیان فیصل، محمد زوہیب خورشید خان، محمد عباس زاہد، سمیر علی، عبدالتواب سرحدی ☆ ملتان: محمد تیمور۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال ستمبر ۲۰۱۹ء میں محترمہ بنتِ محمد اقبال کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجا ہے۔

۱۔ خزاں کے بعد : رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان

۲۔ چھپی نیکی : عبدالرحمٰن عارف، کراچی

۳۔ محبت جاگ اُٹھی : محمد ابراہیم زاہد، لاہور

﴿ چند اور اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

فرض کا قرض۔مٹ گئیں دوریاں۔انمول پکوڑے۔ہمدرد بھائی۔

عظیم قربانی۔ایثار۔ابرِ رحمت۔فرض شناس۔عظیم انسان۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں دل چسپ عنوانات بھیجے

☆ کراچی: فاطمہ ناہید، محمد احمد اسلم، اسما اشرف صدیقی، سیدہ رومیثہ طارق، آمنہ بختاور، سیدہ ناہید نرگس، علینا اختر، راد بشیر، ناعمہ تحریم، زاہرہ سلطانہ، زینب سلیم، عافیہ فاطمہ، حسان خالد، ردا حمید، اریب غفران، عبدالرحمٰن عارف، سید عفان احمد، حافظہ عروبہ مرسلین، سیدہ عاتکہ محمد عابد حسین، احتشام الدین، محمد عاقب مصطفیٰ، وردہ مصطفیٰ، عبیرہ صابر، شایان احمد، حافظہ حور لائبہ خداداد، محمد سفیان فیصل، سید محمد احمد، خنسہ محمد عقیل شاہ، رابعہ شرف الدین،

سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ عفان علی جاوید، اعجاز احمد، محمد حسیان سیفل، شہباز خان، محمد علی، بہادر، عبید سردار، غلام محمد سرور، عبدالتواب سرحدی، محمد عدنان سیفل، محمد صادق صدیق، فضل سلیمان خان، محمد عباس زاہد، سمیر علی، دلاور، عادل امیر، سہیل خان احمد علی شاہ، سیدہ مسکان ندیم علی ☆ راولپنڈی: بلال صفدر، محمد سلیمان بٹ، شازر، زہرا نور بٹ ☆ کوٹ ادو: عبیرہ ملک، سارہ عزیز ☆ حیدرآباد: سعد محمود، مریم بنتِ کاشف، مشعل بنتِ عدنان، محمد عاشر خان، محمد یوسف قریشی، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ لاہور: امتیاز علی ناز، حنا نعمت، مہ نور ذی شان یٰسین، حفصہ سجاد، ارحم ذی شان یٰسین ☆ ٹنڈو الہیار: مدثر آصف کھتری، مشعل فاطمہ قائم خانی ☆ پرانا سکھر: محمد حسیب ☆ ٹنڈو آدم: محمد معیز ☆ نواب شاہ: ثانی زہرہ ☆ میر پور خاص: وقار احمد ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ قصور: فروا ظہیر ☆ سانگھڑ: اُمِ ابیہا شکیل احمد شیخ منصوری ☆ کوٹ غلام محمد: محمد جیلان رضا ☆ ملتان: محمد صالح ☆ پھُلں شہر: گل ابراہیم پھُلں ☆ ڈیرو لال: بابر گل بھلم پٹھان، نیلوفر خان بھلم پٹھان ☆ مظفر گڑھ: احمد خان لغاری۔

نونہال لغت

سامع	سا م ع	سننے والا، سماعت کرنے والا۔
بوجھل	ب و جھ ل	وزنی، بھاری، لدا ہوا، بوجھ کے نیچے دبا ہوا۔
کایا	کا یا	جسم، شکل، صورت، ماہیت۔
پنہاں	پ ن ہا ں	چھپا ہوا، پوشیدہ
حواس	ح و ا س	ہوش، عقل، سمجھ
رعشہ	ر ع ش ہ	کپکپی، تھرتھراہٹ، ایک بیماری کا نام جس میں بدن کانپتا ہے۔
تلخ	ت ل خ	کڑوا، بدمزہ، بد ذائقہ، ناگوار، ناپسند۔
رن	ر ن	جنگ، لڑائی، معرکہ، میدانِ جنگ، رزم گاہ۔
طنطنہ	ط ن ط ن ہ	غرور، گھمنڈ، شان و شوکت، غصہ، بدمزاجی، باجے وغیرہ کی آواز۔
زمرہ	ز م رہ	جماعت، گروہ، جتھا، ساتھی، ہمراہی، بھیڑ، فوج۔
سپاٹ	س پا ٹ	ہموار، برابر، صاف، سادہ جس کے کنارے اونچے نیچے نہ ہوں، کپڑا انگاشی۔
اوسان	ا و سا ن	ہوش و حواس، ہمت، جرأت، حوصلہ۔
ایندھن	ا ی ن دھ ن	جلانے کی چیزیں، لکڑی، کوئلہ وغیرہ۔
گھمسان	گھ م سا ن	لڑائی، جنگ، بھیڑ، بربادی، کثرت، اوپر تلے۔

تخیل	تَ خَ یْ یُ ل	تصور۔ قیاس۔ وہ قوت جو خیالی صورت بنا کر وہم پیدا کرتی ہے۔
تفسیر	تَ فْ سِی ر	مغزِ سخن کو ظاہر کرنا۔ تشریح (خاص طور پر قرآن پاک کی)۔
توفیق	تَو فِی ق	موافق کرنا۔ برابر کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کی خواہش کے مطابق نیک اسباب مہیا کرنا۔
تشویش	تَ شْ وِ یْ ش	گھبراہٹ۔ پریشانی۔ بے قراری۔ بے چینی۔ اضطراب۔ فکر۔
شش و پنج	شَشْ و پَ نْ ج	فکر۔ اندیشہ۔ سوچ بچار۔
گریزاں	گُ رے زَ ا ں	بھاگنے والا۔ متنفر۔
مماثلت	مُ مَا ثَ لَ ت	مشابہت۔ مانند۔
بپھرنا	بِ پھَ رْ نَا	غصہ ہونا۔ آگ بگولا ہونا۔ جوش میں آنا۔ قابو سے باہر ہونا۔
بے لوث	بے لَو ث	خالص۔ بے آمیزش۔ بے غرض۔ پُرخلوص۔
بردبار	بُ رْ دْ بَا ر	برداشت کرنے والا۔ متحمل۔ صابر۔ حلیم۔
ناپید	نَا پَے د	معدوم۔ عنقا۔ نیست۔
برطرف	بَ رْ طَ رَ ف	برخاست۔ موقوف۔ بے تعلق۔ دور۔
استقامت	اِ سْ تِ قَا مَ ت	استقلال۔ قیام۔ پائداری۔ مضبوطی۔
طلسم	طِ لِ سْ م	جادو۔ سحر۔ وہ علم جو موہوم خیالات کو عجیب شکل کے ساتھ نظر میں لائے۔
تشفی	تَ شَ فْ فِی	شفا چاہنا۔ تسلی۔ ڈھارس۔ اطمینان۔ قرار۔
اساس	اَ سَا س	بنیاد۔ جڑ۔ بِنا۔
انہماک	اِ نْ ہِ مَا ک	کسی کام میں محو ہو جانا۔